فضائل قرآن
سید ابوالاعلیٰ مودودی
جمع و ترتیب حفیظ الرحمٰن احسن
اقرا
باسم ربک
الذی خلق
www.iqbalkalmati.blogspot.com

سلسلۂ درسِ حدیث (۲)

فضائلِ قرآن

مِشکوٰۃ المصابیح کے باب کتاب فضائل القرآن

کے

عام فہم مطالب

از

مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی

جمع و تدوین

حفیظ الرحمٰن احسن

البدر پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

فہرست

فصل اوّل

فصل ثانی

باب

فصل اوّل

فصل ثانی

کی وضاحت کی گئی تھی۔ (ہفتہ وار درسِ قرآن وحدیث کا یہ سلسلہ انہا سال جاری رہنے کے بعد ستمبر ۱۹۶۹ء میں مولانائے محترم کی کمزوریِ صحت کی بنا پر موقوف ہوگیا)۔

افسوس ہے کہ "کتاب الصوم" کی طرح یہ مجموعہ بھی سیدِ محترم کی نظرِ ثانی کے بغیر شائع کرنا پڑ رہا ہے۔ راقم الحروف کی یہ دلی تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ خاص سے مولانائے محترم کو اتنی صحت وقوت سے نوازدے کہ وہ حدیث کے ان تشریحی مجموعوں پر مکمل نظرِثانی فرماسکیں تاکہ ان کا علمی پایۂ اعتبار موصوف کی دوسری علمی وتحقیقی تصنیفات کے معیار تک پہنچ جائے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ

اہلِ علم سے میری یہ گزارش ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کوئی علمی فروگزاشت پائیں تو اسے میری کوتاہیِ علم پر محمول کریں اور مجھے اس سے آگاہ کرکے ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ طباعت کے موقع پر اس کی اصلاح وتلافی کی کوشش کرسکوں۔

خدائے بزرگ وبرتر کے حضور میری یہ دعا ہے کہ اس کتاب کی جمع وتدوین کے سلسلے میں مجھ سے جو تھوڑی بہت محنت وکوشش بن پڑی ہے وہ اسے شرفِ قبول سے نوازے اور حدیثِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح وتفہیم کے اس گلدستے کو اسی طرح مفید ونافع بنائے جس طرح اس نے سیدِ محترم کے دوسرے دینی سرمایۂ علم کو اس شرفِ خاص سے مشرف فرمایا ہے۔

یہ امر واضح رہے کہ پیشِ نظر کتاب "حدیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم" کے مشہور ومقبول مجموعے مشکوٰۃ المصابیح کے جزء "کتاب فضائل قرآن" میں سے منتخب احادیث کی تشریح پر مشتمل ہے۔ (احادیث کے آغاز میں جو عنوان لکھے گئے ہیں وہ مشکوٰۃ کے متن کا حصہ نہیں ہیں، بلکہ یہ راقم الحروف نے احادیث کے اہم

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

عرضِ مُرتب

"کتاب الصّوم" کے بعد "فضائلِ قرآن" قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ "کتاب الصّوم" کی طرح یہ کتاب بھی مخدومی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی کے ہفتہ وار درسِ حدیث سے مرتب کی گئی ہے۔ یہ درس اس سے پہلے ہفت روزہ "آئین" لاہور میں شائع ہوتے تھے۔ اب ان پر مزید نظرِ ثانی کرنے کے بعد ان کو پہلی مرتبہ کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس موقع پر دو اُمور کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے:

اوّلاً یہ کہ اس کتاب کو مولانا ئے محترم کی اپنی تحریر کی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ مرتب نے تقریری مواد کو ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے تحریر کے سلیقے میں ڈھالا ہے۔

ثانیاً یہ کہ پیشِ نظر دروسِ حدیث کو ان درسوں پر قیاس نہ کیا جائے جو دینی مدارس میں حدیث کے طالب علموں کے سامنے دیئے جاتے ہیں، بلکہ یہ درس ہفتہ وار اجتماعات میں افادۂ عام کے لیے دیئے گئے تھے اور ان میں مخاطبین کی ذہنی سطح اور ضرورت کو ملحوظ رکھ کر مطالبِ حدیث

کے مشورے اور ایماء پر مرتب کی، اور جب یہ مرتب ہو چکی تو ان کے استاذِ محترم نے خود اس کی ایک جامع شرح "اَلْکَاشِفُ عَنْ حَقَائِقِ السُّنَنِ" کے نام سے تحریر کی۔

مشکوٰۃ المصابیح کی اہمیت اور خصوصیات کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ امام بغویؒ کی مصابیح السُّنّۃ کی خصوصیات پر ایک نظر ڈال لی جائے:

۱۔ مصابیح السُّنّۃ میں احادیث کو فقہی ابواب کی ترتیب سے جمع کیا گیا تھا اور ہر باب میں دو فصلیں قائم کی گئی تھیں۔ ایک فصل میں صرف امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی روایت کردہ احادیث جمع کی گئی تھیں اور دوسری فصل میں ابو داؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، بیہقیؒ اور دار قطنیؒ وغیرہم کی روایات کو جگہ دی گئی تھی۔

۲۔ صاحبِ مصابیح نے احادیث کو اُن کے راویوں اور متعلقہ کتبِ احادیث کے حوالے کے بغیر جمع کیا تھا۔ اس سے طالبانِ حدیث کو ان احادیث کے مصادر و مآخذ کا پتہ لگانے، اور باعتبارِ سند اُن کی صحت اور مقام و مرتبہ کے تعین میں مشکل پیش آتی تھی۔

مصابیح السُّنّۃ کے مقابلے میں مشکوٰۃ المصابیح میں:

۱۔ صاحبِ مشکوٰۃ نے مصابیح السُّنّۃ کی پہلی دو فصلوں پر ایک تیسری فصل کا اضافہ بھی کیا ہے، اور احادیث کا انتخاب کرتے ہوئے صحاحِ ستّہ (بخاری، مسلم، نسائی، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ) کے علاوہ "شُعَبُ الْإِیْمَان" لِلْبیہقیؒ، مسند امام احمدؒ اور مسند رزینؒ وغیرہا کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ اس طرح موضوع کی مناسبت سے بہت سی مزید اہم احادیث اس مجموعہ میں آگئی ہیں۔ مصابیح میں احادیث کی تعداد ۴۴۳۴ تھی، جبکہ

مشکوٰۃ میں یہ تعداد ۵۹۴۵ ہو گئی۔

چونکہ مشکوٰۃ المصابیح تمام مستند کتبِ احادیث کا ایک مختصر لیکن جامع اور وقیع انتخاب ہے اس لیے اس کو طلبۂ حدیث، علماء اور عام مسلمانوں میں جو قبولِ عام حاصل ہُوا وہ اس نوع کی کم ہی کتابوں کو نصیب ہُوا ہے۔ یہ کتاب مختلف فقہی مکاتبِ فکر میں یکساں مقبول و مروّج ہے اور دینی درس گاہوں میں عام طور پر سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی ہے۔ اس کی مقبولیت اور اہمیت کا اندازہ اُن شرحوں سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو اب تک عربی، اُردو اور بعض دوسری زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ حدیث میں صحیحین کے بعد یہ اعزاز اسی کتاب کو حاصل ہُوا ہے۔

عربی شرحوں میں علّامہ الطّیبیؒ کی شرح (جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے)، مِرقاۃُ المَفاتیح (ملّا علی قاریؒ)، لمعات (شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ)، التّعلیقُ الصّبیح (مولانا محمد ادریس کاندھلوی) اور مِنہاجُ المشکٰوۃ (عبدالعزیز الابہریؒ) اہم ہیں۔ فارسی میں شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی شرح اَشِعّۃُ اللّمعات معروف ہے۔ اُردو میں مولانا عبدالغفور غزنویؒ کا ترجمہ و حواشی (جو آج کل نایاب ہے) ۔۔۔ اور مولانا قطبُ الدینؒ کی مظاہرِ حق قابلِ ذکر ہیں۔ ایک انگریزی ترجمہ بھی ۱۹۰۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔ قریبی زمانے میں پروفیسر عبدالحمید صدیقی صاحب نے بھی مشکوٰۃ شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ توقع ہے کہ یہ ترجمہ جلد شائع ہو جائے گا۔

مشکوٰۃ المصابیح کے مختلف اجزاء پاکستان کے مختلف تعلیمی نصابوں میں شامل ہیں۔

(مرتّب)

مِشکوٰۃُ المصابیح

پیشِ نظر کتاب حدیثِ نبویؐ کے مشہور و مقبول مجموعہ مِشکوٰۃُ المصابیح کے ایک جزو "کتاب فضائل القرآن" کی شرح پر مشتمل ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشکوٰۃ کا مختصر سا تعارف کرا دیا جائے۔

مِشکوٰۃُ المصابیح آٹھویں صدی ہجری کے ایک متبحّر عالم و فقیہ اور جلیل القدر محدّث ولی الدین محمد بن عبداللہ تبریزیؒ[1] کی نادر تالیف ہے۔ اس کی بُنیاد مشہور محدّث، مفسّر اور فقیہ امام بغویؒ[2] کے مرتب کردہ مجموعہ حدیث "مصابیح السُّنّۃ" پر رکھی گئی ہے، جس کی تہذیب و اصلاح کر کے مزید احادیث کے اضافے سے نیا مجموعہ مشکوٰۃ المصابیح کے نام سے ترتیب دیا گیا۔

مشکوٰۃ المصابیح اور اس کے مؤلف علامہ تبریزیؒ کا ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ یہ کتاب انھوں نے اپنے جلیل القدر استاد علامہ حسین بن عبداللہ الطیبیؒ[3]

---

[1] افسوس ہے کہ آپ کی تاریخِ ولادت و وفات کی تحقیق نہیں ہو سکی۔ تاہم یہ معلوم ہے کہ وہ مشکوٰۃ کی تالیف سے ۷۳۷ھ میں فارغ ہوئے۔

[2] محی السنۃ ابومحمد الحسین بن مسعود الفرّاء البغوی، وفات ۵۱۶ھ

[3] وفات ۷۴۳ھ

کے مشورے اور ایماء پر مرتب کی، اور جب یہ مرتب ہو چکی تو ان کے استاذِ محترم نے خود اس کی ایک جامع شرح "اَلْکَاشِفُ عَنْ حَقَائِقِ السُّنَنِ" کے نام سے تحریر کی۔

مشکوٰۃ المصابیح کی اہمیت اور خصوصیات کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ امام بغویؒ کی مصابیح السنّۃ کی خصوصیات پر ایک نظر ڈال لی جائے:

۱۔ مصابیح السنّۃ میں احادیث کو فقہی ابواب کی ترتیب سے جمع کیا گیا تھا اور ہر باب میں دو فصلیں قائم کی گئی تھیں۔ ایک فصل میں صرف امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی روایت کردہ احادیث جمع کی گئی تھیں اور دوسری فصل میں ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، بیہقیؒ اور دارقطنیؒ وغیرہم کی روایات کو جگہ دی گئی تھی۔

۲۔ صاحبِ مصابیح نے احادیث کو اُن کے راویوں اور متعلقہ کتبِ احادیث کے حوالے کے بغیر جمع کیا تھا۔ اس سے طالبانِ حدیث کو ان احادیث کے مصادر و مآخذ کا پتہ لگانے، اور باعتبارِ سند اُن کی صحت اور مقام و مرتبہ کے تعین میں مشکل پیش آتی تھی۔

مصابیح السنّۃ کے مقابلے میں مشکوٰۃ المصابیح میں:

۱۔ صاحبِ مشکوٰۃ نے مصابیح السنّۃ کی پہلی دو فصلوں پر ایک تیسری فصل کا اضافہ بھی کیا ہے، اور احادیث کا انتخاب کرتے ہوئے صحاحِ ستّہ (بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) کے علاوہ "شُعَبُ الْاِیْمَان" للبیہقیؒ، مسند امام احمدؒ اور مسند رزینؒ وغیرہا کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔ اس طرح موضوع کی مناسبت سے بہت سی مزید اہم احادیث اس مجموعہ میں آگئی ہیں۔ مصابیح میں احادیث کی تعداد ۴۴۳۴ تھی جبکہ

مشکوٰۃ میں یہ تعداد ۵۹۴۵ ہو گئی۔

چونکہ مشکوٰۃ المصابیح تمام مستند کتبِ احادیث کا ایک مختصر لیکن جامع اور وقیع انتخاب ہے اس لیے اس کو طلبۂ حدیث، علماء اور عام مسلمانوں میں جو قبولِ عام حاصل ہوا وہ اس نوع کی کم ہی کتابوں کو نصیب ہوا ہے۔ یہ کتاب مختلف فقہی مکاتبِ فکر میں یکساں مقبول و مروّج ہے اور دینی درس گاہوں میں عام طور پر سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی ہے۔ اس کی مقبولیت اور اہمیت کا اندازہ اُن شرحوں سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو اب تک عربی، اُردو اور بعض دوسری زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ حدیث میں صحیحین کے بعد یہ اعزاز اسی کتاب کو حاصل ہوا ہے۔

عربی شرحوں میں علّامہ الطّیبیؒ کی شرح (جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے)، مِرقَاۃُ المَفَاتِیح (ملّا علی قاریؒ)، لمعات (شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ)، التَّعلِیقُ الصَّبِیح (مولانا محمد ادریس کاندھلوی) اور مِنہَاجُ المِشکٰوۃ (عبدالعزیز الابہریؒ) اہم ہیں۔ فارسی میں شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی شرح اَشِعَّۃُ اللّمعَات معروف ہے۔ اُردو میں مولانا عبدالغفور غزنویؒ کا ترجمہ و حواشی (جو آج کل نایاب ہے)، اور مولانا قطب الدینؒ کی مظاہرِ حق قابلِ ذکر ہیں۔ ایک انگریزی ترجمہ کیلکتہ میں ۱۸۰۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔ قریبی زمانے میں پروفیسر عبدالحمید صدیقی صاحب نے بھی مشکوٰۃ شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ توقع ہے کہ یہ ترجمہ جلد شائع ہو جائے گا۔

مشکوٰۃ المصابیح کے مختلف اجزاء پاکستان کے مختلف تعلیمی نصابوں میں شامل ہیں۔

(مرتّب)

ابتدائیہ

قرآن مجید کی عظمت اور آفاقیت

مجید کا لفظ عربی زبان میں دو معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ ایک بلند مرتبہ ، باعظمت ، بزرگ اور صاحب عزت و شرف ۔ دوسرے کریم ، کثیر العطاء ، بہت نفع پہنچانے والا ۔ قرآن کے لیے یہ لفظ ان دونوں معنوں میں استعمال فرمایا گیا ہے ۔ قرآن اس لحاظ سے عظیم ہے کہ دنیا کی کوئی کتاب اس کے مقابلے میں نہیں لائی جا سکتی ۔ اپنی زبان اور ادب کے لحاظ سے بھی وہ معجزہ ہے اور اپنی تعلیم اور حکمت کے لحاظ سے بھی معجزہ ۔ جس وقت وہ نازل ہوا تھا اُس وقت بھی انسان اُس کے مانند کلام بنا کر لانے سے عاجز تھے اور آج بھی عاجز ہیں ۔ اس کی کوئی بات کسی زمانے میں غلط ثابت نہیں کی جا سکی ہے نہ کی جا سکتی ہے ۔ باطل نہ سامنے سے اس کا مقابلہ کر سکتا ہے نہ پیچھے سے حملہ آور ہو کر اسے شکست دے سکتا ہے اور اس لحاظ سے وہ کریم ہے کہ انسان جس قدر زیادہ اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرے اسی قدر زیادہ وہ اس کو رہنمائی دیتا ہے اور جتنی زیادہ اس کی پیروی کرے اتنی ہی زیادہ اُسے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں حاصل ہوتی چلی جاتی ہیں ۔ اس کے فوائد و منافع کی کوئی حد نہیں ہے جہاں جا کر انسان اس سے بے نیاز ہو سکتا ہو ، یا جہاں پہنچ کر اس کی نفع بخشی ختم ہو جاتی ہو ۔

قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے نوعِ انسانی کے افکار، اخلاق، تہذیب، اور طرزِ زندگی پر اتنی وسعت، اتنی گہرائی اور اتنی ہمہ گیری کے ساتھ اثر ڈالا ہے کہ دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے۔ پہلے اس کی تاثیر نے ایک قوم کو بدلا اور پھر اس قوم نے اٹھ کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو بدل ڈالا۔ کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جو اس قدر انقلاب انگیز ثابت ہوئی ہو۔ پھر یہ کتاب صرف کاغذ کے صفحات پر لکھی نہیں رہ گئی ہے بلکہ عمل کی دنیا میں اس کے ایک ایک لفظ نے خیالات کی تشکیل اور ایک مستقل تہذیب کی تعمیر کی ہے۔ ۱۴ سو برس سے اس کے ان اثرات کا سلسلہ جاری ہے، اور روز بروز اس کے یہ اثرات پھیلتے جا رہے ہیں۔

(۱)

جس موضوع سے یہ کتاب بحث کرتی ہے وہ ایک وسیع ترین موضوع ہے جس کا دائرہ ازل سے ابد تک پوری کائنات پر حاوی ہے۔ وہ کائنات کی حقیقت اور اس کے آغاز و انجام اور اس کے نظم و آئین پر کلام کرتی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس کائنات کا خالق اور ناظم و مدبر کون ہے؟ کیا اس کی صفات ہیں، کیا اس کے اختیارات ہیں؟ اور وہ حقیقتِ نفس الامری کیا ہے جس پر اس نے یہ پورا نظامِ عالم قائم کیا ہے۔ وہ اس جہان میں انسان کی حیثیت اور اس کا مقام ٹھیک ٹھیک مشخص کر کے بتاتی ہے کہ یہ اس کا فطری مقام اور یہ اس کی پیدائشی حیثیت ہے جسے بدل دینے پر وہ قادر نہیں ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس مقام اور حیثیت کے لحاظ سے انسان کے لیے فکر و عمل کا صحیح راستہ کیا ہے جو حقیقت سے پوری مطابقت رکھتا ہے۔ اور غلط راستے کیا ہیں جو حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں۔ صحیح راستے کے صحیح ہونے اور غلط راستوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے غلط ہونے پر وہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز سے، نظامِ کائنات کے ایک ایک گوشے سے، انسان کے اپنے نفس اور اس کے وجود سے اور انسان کی اپنی تاریخ سے بے شمار دلائل پیش کرتی ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان غلط راستوں پر کیسے اور کن اسباب سے پڑتا رہا ہے، اور یہ صحیح راستہ، جو ہمیشہ سے ایک ہی تھا اور ایک ہی رہے گا، کس ذریعہ سے اس کو معلوم ہو سکتا ہے اور کس طرح ہر زمانے میں اس کو بتایا جاتا رہا ہے۔ وہ صحیح راستے کی طرف نشان دہی کر کے نہیں رہ جاتی بلکہ اس راستے پر چلنے کے لیے ایک پورے نظامِ زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے جس میں عقائد، اخلاق، تزکیۂ نفس، عبادات، معاشرت، تہذیب، تمدن، معیشت، سیاست، عدالت، قانون، غرض حیاتِ انسانی کے ہر پہلو سے متعلق ایک نہایت مربوط ضابطہ بیان کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں وہ پوری تفصیل کے ساتھ بتاتی ہے کہ اس صحیح راستے کی پیروی کرنے اور ان غلط راستوں پر چلنے کے کیا نتائج اس دنیا میں ہیں اور کیا نتائج دنیا کا موجودہ نظام ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے عالم میں رونما ہونے والے ہیں۔ وہ اس دنیا کے ختم ہونے اور دوسرا عالم برپا ہونے کی نہایت مفصل کیفیت بیان کرتی ہے، اس تغیر کے تمام مراحل ایک ایک کر کے بتاتی ہے، دوسرے عالم کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے کھینچ دیتی ہے، اور پھر بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ وہاں انسان کیسے ایک دوسری زندگی پائے گا، کس طرح اس کی دنیوی زندگی کے اعمال کا محاسبہ ہوگا، کن امور کی اس سے بازپرس ہوگی، کیسی ناقابلِ انکار صورت میں اس کا پورا نامۂ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا، کیسی زبردست شہادتیں اس کے ثبوت میں پیش کی جائیں گی، جزا اور سزا پانے والے کیوں جزا اور سزا پائیں گے، جزا پانے والوں کو کیسے انعامات

ملیں گے اور سزا پانے والے کس کس شکل میں اپنے اعمال کے نتائج بھگتیں گے۔

اس وسیع مضمون پر جو کلام اس کتاب میں کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس کا مصنف کچھ صغریٰ، کبریٰ جوڑ کر چند قیاسات کی ایک عمارت تعمیر کر رہا ہے، بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا مصنف حقیقت کا براہِ راست علم رکھتا ہے، اس کی نگاہ ازل سے ابد تک سب کچھ دیکھ رہی ہے۔ تمام حقائق اس پر عیاں ہیں، کائنات پوری کی پوری اس کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے، نوعِ انسانی کے آغاز سے اس کے خاتمہ تک ہی نہیں بلکہ خاتمہ کے بعد اس کی دوسری زندگی تک بھی وہ اس کو بیک نظر دیکھ رہا ہے اور قیاس و گمان کی بنا پر نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر انسان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جن حقائق کو علم کی حیثیت سے وہ پیش کرتا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی آج تک غلط ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔ جو تصورِ کائنات و انسان وہ پیش کرتا ہے وہ تمام مظاہر اور واقعات کی مکمل توجیہ کرتا ہے اور ہر شعبۂ علم میں تحقیق کی بنیاد بن سکتا ہے۔ فلسفہ و سائنس اور علومِ عمران کے تمام آخری مسائل کے جوابات اس کے کلام میں موجود ہیں اور ان سب کے درمیان ایسا منطقی ربط ہے کہ ان پر ایک مکمل، مربوط اور جامع نظامِ فکر قائم ہوتا ہے۔ پھر عملی حیثیت سے جو رہنمائی اس نے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق انسان کو دی ہے وہ صرف انتہائی معقول اور انتہائی پاکیزہ ہی نہیں بلکہ ۱۴ سو سال سے روئے زمین کے مختلف گوشوں میں بے شمار انسان بالفعل اس کی پیروی کر رہے ہیں اور تجربے نے اس کو بہترین ثابت کیا ہے۔ کیا اس شان کی کوئی انسانی تصنیف دنیا میں موجود ہے یا کبھی موجود رہی ہے جسے اس کتاب کے مقابلے میں لایا جا سکتا ہو؟ (تفہیم القرآن سے انتباسات)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۔ معلّمِ قرآن کی فضیلت

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ۔

(رواہ البخاری)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور (دوسروں کو) اس کی تعلیم دیں۔ (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ پہلے قرآن مجید سے خود تعلیم ہدایت حاصل کریں اور اس کے بعد خلقِ خدا تک اس کو پہنچانے کا فریضہ انجام دیں وہ تمہارے اندر سب سے بہتر انسان ہیں۔

ایک شخص تو وہ ہے کہ جب اللہ کی ہدایت اس کے پاس پہنچے تو وہ اس کے مطابق اپنی زندگی کی اصلاح کرے۔ یقیناً وہ بھی اچھا انسان ہے۔ لیکن اس سے اور باقی سب انسانوں سے بہتر انسان وہ ہے اللہ کی ہدایت پاکر نہ صرف یہ کہ اپنی زندگی کو اس کے مطابق درست کرے بلکہ خلقِ خدا تک بھی اس تعلیم کو پہنچانے کی کوشش

کرے تاکہ دوسروں کی زندگی کی اصلاح بھی ہو سکے۔

۲۔ قرآن کی تعلیم دینا، دنیا کے بہترین مال و دولت سے بہتر ہے

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي الصُّفَّةِ فَقَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يَّغْدُوَ كُلَّ يَوْمٍ إِلَى بُطْحَانَ أَوِ الْعَقِيْقِ فَيَأْتِيَ بِنَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ فِيْ غَيْرِ إِثْمٍ وَّلَا قَطْعِ رَحِمٍ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُلُّنَا نُحِبُّ ذٰلِكَ، قَالَ أَفَلَا يَغْدُوْ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيَتَعَلَّمُ أَوْ يَقْرَأُ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ نَاقَتَيْنِ وَثَلَاثٌ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلَاثٍ وَأَرْبَعٌ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ أَرْبَعٍ وَمِنْ أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْإِبِلِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز جبکہ ہم صُفّہ میں بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرۂ مبارک سے نکل کر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا، تم میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ وہ ہر روز بُطحان یا عقیق جائے اور وہاں سے بڑے کوہان والی دو اونٹنیاں لے آئے بغیر اس کے کہ اُس نے کوئی گناہ یا قطعِ رحم کا فعل کیا ہو؟ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ، ہم میں سے تو ہر ایک یہ بات چاہتا ہے۔ تب آپ نے فرمایا، کہ تم میں سے ایک شخص مسجد میں جائے اور لوگوں کو دو آیتیں پڑھ کر سنائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اسے روزانہ دو اونٹنیاں میسّر

آئیں۔ اگر وہ تین آیتیں پڑھ کر سنائے تو یہ تین اونٹنیاں مل جانے سے بہتر ہے۔ اگر چار آیتیں پڑھ کر سنائے تو یہ چار اونٹنیاں مل جانے سے بہتر ہے۔ اسی طرح جتنی آیتیں سنائے وہ اتنی ہی اونٹنیوں سے بہتر ہو۔ (مسلم)

صُفّہ سے مراد وہ چبوترہ ہے جو مسجد نبویؐ کے ساتھ بنا کر اس پر ایک چھپر ڈال دیا گیا تھا۔ یہاں وہ لوگ قیام پذیر تھے جو مکہ معظمہ سے یا عرب کے دوسرے حصّوں سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آ گئے تھے۔ اُن کا نہ کوئی ٹھکانا تھا اور نہ ذریعہ معاش۔ مدینے کے لوگ اور دوسرے مہاجرین جو کچھ بھی ان کی مدد کر سکتے تھے کر دیتے تھے۔ اس سے ان کی گزر بسر کا سامان ہو جاتا تھا۔ یہ لوگ ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے مستعد رہتے تھے۔ اس طرح یہ گویا ایک مستقل والنٹیئر فورس تھی جسے حضورؐ جس خدمت کے لیے اور جس مہم پر جب چاہتے بھیج دیتے تھے۔

بُطحان اور عقیق مدینہ طیبہ سے متصل دو وادیاں ہیں، ایک جنوب میں اور دوسری شمال مغرب میں ——————— اُس زمانے میں ان دونوں مقامات پر اونٹوں کی فروخت کی منڈی لگا کرتی تھی ——— حضورؐ نے ان اصحابِ صُفّہ کو جو بالکل بے سروسامان تھے، مخاطب کر کے کہا کہ بھئی تم میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ روز بطحان یا عقیق جائے اور بڑے بڑے کوہان والی دو اونٹنیاں مفت لے آئے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ، ہم میں سے ہر کوئی یہ بات چاہتا ہے۔ اس پر آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی کو دو آیتیں سنائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اسے دو عمدہ قسم کی اونٹنیاں مفت مل جائیں۔ اسی طرح وہ جتنی آیتیں کسی کو سنائے گا وہ اس کے لیے اتنی ہی اونٹنیاں پا لینے سے بہتر ہے۔

دیکھئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقِ تربیت کیسا انوکھا تھا ——

آپ جانتے تھے کہ یہ اصحابِ صفہ صرف اس وجہ سے اپنے گھر بار چھوڑ کر آئے ہیں کہ انہوں نے اللہ کا دین اختیار کر لیا تھا اور دنیا کو وہ دین پسند نہ تھا، مجبوراً انھیں اپنے گھر بار چھوڑنے پڑے۔ ان کی اس بے سروسامانی کی حالت میں یہ اندیشہ ہو سکتا تھا کہ شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرے کہ تم نے خواہ مخواہ اپنے گھر بار چھوڑے اور غربت کی زندگی اختیار کی۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمالِ حکمت سے اُن کے ذہن کو اس طرف موڑ دیا کہ اگر وہ اونٹنیاں روز مفت تمہارے ہاتھ آئیں تو اس سے بدرجہا بہتر یہ ہے کہ تم اللہ کے بندوں کو قرآن سناؤ اور اس کی تعلیم دو۔ دوسرے لوگوں کو بتا کر تین آیتیں سکھا دو گے تو یہ تین اونٹنیاں پا لینے سے بہتر ہے۔ اس طرح یہ بات ان کے ذہن نشین کر دی گئی کہ اگر تم خدا کے دین پر ایمان لاتے ہو اور اُسی دین کی خاطر ہجرت اختیار کر کے آئے ہو تو اس کے بعد تمہارا وقت اسی دین کے کام میں صرف ہونا چاہیئے۔ تمھیں متاعِ دنیا حاصل کرنے کی خواہش کرنے کے بجائے اپنا وقت خدمتِ دین کے کام میں صرف کرنا چاہیئے تاکہ خدا سے تمہارا تعلق زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو اور خلقِ خدا کو راہِ راست دکھا کر تم اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کے زیادہ سے زیادہ مستحق بن سکو۔

یہی لوگ تھے جنھیں آخرکار اللہ تعالیٰ نے ان کے صبر و ایثار کے نتیجے میں سلطنتوں کا مالک بنا دیا۔ اپنی زندگی ہی میں انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ اگر انسان صبر کے ساتھ یہ راستہ اختیار کرے تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

۳۔ قرآن —— سب سے بڑی دولت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اِذَا رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ اَنْ يَّجِدَ فِيْهِ ثَلَاثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ ، قُلْنَا نَعَمْ ، قَالَ فَثَلَاثُ اٰيَاتٍ يَقْرَاُ بِهِنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوتِهٖ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلَاثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کیا تم میں سے کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ جب وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جائے تو وہ دیکھے کہ اس کے ہاں تین حاملہ ، بڑی جسیم اور فربہ اونٹنیاں کھڑی ہیں ؟ ہم نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ، ہم یہ چاہتے ہیں ۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ تین آیتیں ، جو تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں پڑھے ، یہ اس کے لیے اس سے زیادہ بہتر ہیں کہ وہ اپنے گھر پر تین ایسی حاملہ جسیم اور فربہ اونٹنیاں پائے ۔ (مسلم)

بڑی جسیم اور حاملہ اونٹنی عربوں کے نزدیک بہترین مال تھا ۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مثال دی کہ اگر تم نماز میں قرآن کی تین آیتیں پڑھو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تمھارے گھر پر صفت کی تین اونٹنیاں آ کھڑی ہوں ——

اس مثال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان سے ذہن نشین یہ بات کرائی کہ قرآن ان کے لیے کتنی بڑی رحمت ہے ، اور قرآن کی شکل میں کتنی بڑی دولت ان کے ہاتھ آئی ہے ۔ انھیں اس بات کا احساس دلایا گیا کہ ان کے نزدیک جو بڑی سے بڑی دولت ہو سکتی ہے ، یہ قرآن اور اس کی ایک ایک آیت اس سے زیادہ بڑی دولت ہے ۔

۴۔ قرآنِ مجید کو بے سمجھے پڑھنا بھی باعثِ برکت ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن کا ماہر، قرآن کے لکھنے والے معزز اور پاکیزہ فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآنِ مجید کو اٹک اٹک کر اور بڑی مشکل سے پڑھتا ہے اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ (متفق علیہ)

قرآن مجید ہی میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قرآن کو وہ فرشتے لکھتے ہیں جو بڑے معزز اور پاکیزہ ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کا علم حاصل کرے، اس میں بصیرت پیدا کرے اور اس کے اندر کمال پیدا کرنے کی کوشش کرے وہ ان فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان فرشتوں میں شامل ہو جائے گا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسے وہ مقام اور مرتبہ حاصل ہوگا جو ان فرشتوں کو حاصل ہے۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آدمی قرآن مجید کو سمجھ کر نہ پڑھے تو محض اس کے پڑھنے کا کیا فائدہ ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا درست نہیں۔ قرآن مجید کے محض پڑھنے کا بھی فائدہ ہے۔ مثلاً آپ دیکھیں کہ ایک ایسا آدمی ہے جو بیچارہ بہت ہی دیہاتی قسم کا ہے اور اس کی زبان بھی پوری طرح سے نہیں کھلتی

ہے ــــــ وہ بڑی مشکل سے اور اٹک اٹک کر قرآن مجید پڑھ رہا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حق میں بھی یہ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے دوہرا اجر ہے ــــــ ایک اجر قرآن پڑھنے کا اور دوسرا قرآن پڑھنے کے لیے محنت کرنے کا۔ ــــــ رہی یہ بات کہ بغیر سمجھے بوجھے قرآن مجید پڑھنے کا کیا فائدہ ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے کبھی دنیا میں کسی ایسے آدمی کو دیکھا ہے جو انگریزی کے حروف بھی پڑھ لینے کے بعد انگریزی کی کوئی کتاب لیے بیٹھا پڑھ رہا ہو اور سمجھ میں اس کی خاک بھی نہ آ رہا ہو۔ غور کیجئے کہ ایک آدمی اس قرآن کے ساتھ ہی یہ محنت کیوں کرتا ہے ۔ وہ قاعدۂ بغدادی سے اس کے پڑھنے کی مشق کرتا ہے ' استادوں سے سیکھتا ہے ' پھر بیٹھا ہوا اسے پڑھتا ہے ۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا مگر پھر بھی پڑھتا ہے ــــــ آخر کیوں ؟ ــــــ اگر اس کے دل میں ایمان نہ ہو ' قرآن مجید کی عقیدت نہ ہو اور اگر وہ یہ نہ سمجھ رہا ہو کہ یہ اللہ کا کلام ہے ' اور اس کو پڑھنے میں برکت ہے تو آخر وہ یہ سب محنت اور مشقت کیوں برداشت کرے ؟ ظاہر بات ہے کہ وہ یہ ساری محنت اور مشقت اسی یقین کی بنا پر تو کرتا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے اور بڑی برکت والا کلام ہے ۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسے اس کا اجر نہ ملے ۔

اس کا یہ مطلب بھی نہ لینا چاہیئے کہ ایسے آدمی کو قرآن سیکھنے اور سمجھنے کے قابل بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے ۔ یہ کوشش تو اسے لازماً کرنی چاہیئے لیکن جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر قرآن کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو تو اس کا پڑھنا فضول اور بے فائدہ ہے تو یہ بات غلط ہے ۔ یقیناً قرآن مجید کو بے سمجھے پڑھنے کا بھی فائدہ ہے ۔

۵۔ رشک کے قابل صرف دو آدمی ہیں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا حَسَدَ اِلَّا عَلٰی اثْنَیْنِ، رَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ الْقُرْاٰنَ فَھُوَ یَقُوْمُ بِہٖ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَ اٰنَاءَ النَّھَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَھُوَ یُنْفِقُ مِنْہُ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاٰنَاءَ النَّھَارِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی حسد (یعنی رشک) کی کوئی گنجائش نہیں ہے مگر دو آدمیوں پر۔ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا ہو اور وہ شب و روز اس کو لیے کھڑا ہو (یعنی نماز میں کھڑا پڑھ رہا ہو یا اس کی تبلیغ و تلقین کرنے اور اس کی تعلیم دینے میں مصروف ہو) ——— اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ شب و روز اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہو۔ (متفق علیہ)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات اہل ایمان کے ذہن نشین کی ہے وہ یہ ہے کہ کسی شخص کا دنیوی عروج، خوشحالی اور ناموری کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر رشک کیا جائے۔ رشک کے قابل صرف دو آدمی ہیں۔ ایک وہ جسے قرآن کا علم حاصل ہو اور وہ اسے شب و روز نماز میں پڑھنے کے لیے کھڑا ہو یا اس کام میں لگا ہو کہ خلق خدا کو اس کی تعلیم دے اور اس کی تبلیغ و تلقین کرے ——— دوسرا

وہ شخص قابلِ رشک ہے جسے مال و دولت حاصل ہو اور وہ اسے عیاشیوں اور دوسرے غلط کاموں میں خرچ کرنے کے بجائے شب و روز اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہو۔

یہ وہ تعلیم ہے جس کے ذریعے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ذہنوں کو بدلا ہے اور انھیں نئی قدریں (VALUES) عطا فرمائی ہیں۔ انھیں یہ بتایا ہے کہ قدر کے قابل اصل میں کیا چیز ہے اور انسانیت کا وہ اعلیٰ نمونہ کیا ہے جس کے مطابق انھیں خود کو ڈھالنے اور بنانے کی تمنا اور کوشش کرنی چاہیئے۔

حدیث کے متن میں رشک کے بجائے حسد کا لفظ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رشک ایک ایسی چیز ہے جو حسد کی طرح آدمی کے دل میں آگ نہیں بھڑکاتی ہے اور حسد وہ چیز ہے جو اگرچہ رشک ہی کی ایک قسم ہے لیکن اتنی تیز ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی کے دل میں ایک آگ سی لگی ہوتی ہے اس لیے یہاں رشک کے جذبے کی شدت کو ظاہر کرنے کے لیے حسد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

حسد میں اصل عیب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی یہ چاہتا ہے کہ فلاں چیز دوسرے شخص کو نہ ملے بلکہ مجھے ملے، یا اس سے چھن جائے اور مجھ کو مل جائے۔ یا بدرجۂ آخر اگر مجھے نہیں ملتی تو اس کے پاس بھی نہ رہے۔ یہاں حسد کی یہ کیفیت مراد نہیں ہے بلکہ یہاں یہ لفظ صرف اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ رشک کے جذبے کی شدت ظاہر ہو۔ یعنی اگر تمھارے دل میں رشک کی آگ لگنی ہی ہے تو اس غرض کے لیے لگنی چاہیئے کہ تم ایسے ہو جاؤ کہ رات دن قرآن پڑھنے اور اس کی تعلیم دینے میں لگے رہو یا ایسے ہو جاؤ کہ تمھیں

مال نصیب ہو تو اسے خوب اللہ کی راہ میں لٹاؤ۔ یہاں تک کہ دوسروں کے لیے قابلِ رشک نمونہ بن جاؤ۔

۱۶۔ قرآنِ مجید اور مومن کا تعلق

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّۃِ رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَّ طَعْمُھَا طَیِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ التَّمْرَۃِ لَا رِیْحَ لَھَا وَطَعْمُھَا حُلْوٌ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ کَمَثَلِ الْحَنْظَلَۃِ لَیْسَ لَھَا رِیْحٌ وَطَعْمُھَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الرَّیْحَانَۃِ رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَطَعْمُھَا مُرٌّ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ: اَلْمُؤْمِنُ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَیَعْمَلُ بِہٖ کَالْاُتْرُجَّۃِ وَالْمُؤْمِنُ لَا یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَیَعْمَلُ بِہٖ کَالتَّمْرَۃِ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو مومن قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ترنج کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور اس کا مزہ بھی اچھا ہوتا ہے۔ اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ اس کی خوشبو تو نہیں ہوتی البتہ مزہ اس کا میٹھا ہوتا ہے۔ اور جو منافق قرآن نہیں پڑھتا ہے اس کی مثال حنظل (اندرائن) کی سی ہے کہ اس کی خوشبو

هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو سعید بن معلّی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مسجدِ نبوی میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دے کر بلایا لیکن میں نے جواب نہ دیا (کیونکہ میں نماز پڑھ رہا تھا)۔ پھر نماز ختم کر کے میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ، میں نماز پڑھ رہا تھا (اس لیے فوراً حاضر نہیں ہو سکا)۔ آپؐ نے فرمایا: کیا اللہ نے یہ حکم نہیں دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک کہو جبکہ وہ تمھیں بلائیں ——— پھر حضورؐ نے فرمایا: کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کہ قرآنِ مجید کی سب سے بڑی سورت کونسی ہے؟ قبل اس کے کہ ہم تم مسجد سے نکلیں؟ ——— پھر آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور جب ہم مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ، آپؐ نے فرمایا تھا کہ آپ مجھے قرآنِ مجید کی سب سے بڑی سورت کے متعلق بتائیں گے ——— آپؐ نے فرمایا کہ وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یعنی سورۂ فاتحہ) ہے۔ یہی سَبْعِ مَثَانِی ہے (سات بار بار پڑھی جانے والی آیتیں) اور اس کے ساتھ عظیم قرآن ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ (بخاریؒ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھنے کے دوران میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انھیں طلب فرمانے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب حضورؐ نے انھیں بلایا تھا تو وہ نفل نماز پڑھ رہے تھے کیونکہ فرض

حیثیت سے مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔

۷۔ قرآن ــــ دُنیا اور آخرت میں سربلندی کا ذریعہ

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتٰبِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس کتاب (قرآن) کے ذریعے سے کچھ لوگوں کو اُٹھائے گا اور کچھ لوگوں کو گرائے گا۔ (مسلم)

مراد یہ ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو لے کر کھڑے ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ اُنھیں ترقی دے گا اور دنیا اور آخرت دونوں میں سربلند کرے گا۔ لیکن جو لوگ اس کتاب کو لے کر بیٹھ رہیں گے اور اس کے مطابق عمل نہیں کریں گے یا اس کتاب کو رد کر دیں گے اللہ تعالیٰ ان کو گرا دے گا۔ ان کے لیے نہ دنیا کی سربلندی ہے اور نہ آخرت کی سرخروئی۔

۸۔ قرآن پڑھنے کی آواز سن کر فرشتے جمع ہو جاتے ہیں

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ اُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يَقْرَاُ مِنَ اللَّيْلِ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَفَرَسُهٗ مَرْبُوْطَةٌ عِنْدَهٗ اِذْ جَالَتِ الْفَرَسُ فَسَكَتَ فَسَكَنَتْ فَقَرَاَ فَجَالَتْ فَسَكَتَ فَسَكَنَتْ ثُمَّ قَرَاَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَانْصَرَفَ وَكَانَ ابْنُهٗ يَحْيٰى قَرِيْبًا مِنْهَا فَاَشْفَقَ اَنْ

پہلا مضمون یہ ہے کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ تمہارے گھروں کی یہ کیفیت نہ ہو کہ ان میں نہ کوئی نماز پڑھنے والا ہو اور نہ قرآن پڑھنے والا۔ یعنی ان کو دیکھ کر یہ معلوم ہی نہ ہوتا ہو کہ ان کے اندر ایمان رکھنے والے اور قرآن پڑھنے والے لوگ بستے ہیں۔ اگر کیفیت یہ ہو تو گویا وہ گھر قبرستان ہیں۔ وہ زندہ انسانوں کی نہیں بلکہ مُردوں کی بستی ہیں۔

اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ساری کی ساری نماز مسجدوں ہی میں ادا نہ کرو بلکہ نماز کا کچھ حصّہ گھروں میں بھی ادا کیا کرو۔ اگر گھروں میں نماز نہ پڑھی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسجدوں کو تو آپ نے آباد کر لیا لیکن گھر قبرستان کی طرح ہو گئے۔ اس لیے ایسی صورت ہونی چاہیئے کہ مسجدیں بھی آباد ہوں اور گھر بھی۔ اسی بنا پر اس بات کو پسند کیا گیا ہے کہ فرض نماز تو جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کی جائے اور سُنّتیں اور نوافل وغیرہ گھر میں آکر ادا کیے جائیں تاکہ دونوں جگہیں آباد ہوں۔

دوسرا مضمون یہ بیان فرمایا گیا کہ شیطان ایسے گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے ——— قرآن مجید کی فضیلت بحیثیتِ مجموعی تو الگ ہے اور ایک ایک سورت کے فضائل الگ ہیں۔ یہاں سورۂ بقرہ کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جس گھر میں وہ پڑھی جاتی ہے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے ——— ایسا کیوں ہے؟ ——— اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں معاشرتی اور گھریلو زندگی کے سارے قواعد تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ نکاح اور طلاق وغیرہ کے متعلق مکمل قانون بھی اس میں بیان کر دیا گیا ہے ——— معاشرت کو بہتر رکھنے کے جملہ اصول و قواعد بھی اس میں آگئے ہیں۔ اس لیے جس گھر میں سورۂ بقرہ سمجھ کر پڑھی جاتی

ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے وہاں شیطان کبھی فتنہ وفساد برپا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ شیطان کو فتنے برپا کرنے کا موقع اسی جگہ ملتا ہے جہاں لوگوں کو یا تو اللہ تعالیٰ کے وہ احکام معلوم نہ ہوں جن میں انسانی زندگی کی اصلاح کے قاعدے اور ضابطے بتائے گئے ہیں اور یا احکام معلوم تو ہوں لیکن ان کی خلاف ورزی کی جا رہی ہو۔ لیکن جہاں احکام بھی معلوم ہوں اور ان کی اطاعت بھی کی جا رہی ہو وہاں شیطان کو کام کرنے کا موقع نہیں ملتا اور نہ وہ کوئی فتنہ برپا کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

۱۲۔ قرآن مجید قیامت کے روز شفیع بن کر آئے گا

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ : اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شَفِیْعًا لِاَصْحَابِهٖ" اِقْرَءُوا الزَّهْرَاوَیْنِ الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ اٰلِ عِمْرَانَ فَاِنَّهُمَا تَاْتِیَانِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ غَیَایَتَانِ اَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَیْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِهِمَا ، اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَاِنَّ اَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا یَسْتَطِیْعُهَا الْبَطَلَةُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے، قرآن مجید پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں

کے لیے شفیع (سفارش کرنے والا) بن کر آئے گا ــــــ دو چمکتی ہوئی روشن سورتیں البقرہ اور آل عمران پڑھا کرو۔ کیونکہ یہ دونوں قیامت کے روز اس طرح سے آئیں گی جیسے کہ وہ چھتریاں ہیں یا سایہ کرنے والے بادل ہیں یا پرندوں کے دو جھنڈ ہیں جو پر پھیلائے ہوتے ہوں۔ وہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے حجت پیش کرنے والی ہوں گی ــــــ سورۃ البقرہ پڑھا کرو کیونکہ اس کا اختیار کرنا برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا حسرت ہے اور باطل پرست اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔

(مسلم)

اس حدیث میں پہلی بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ قرآن مجید پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے لیے شفیع بن کر آئے گا۔ شفیع بن کر آنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ انسانی شکل میں کھڑا ہو کر سفارش کرے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے دنیا میں قرآن پڑھا اور اس کے مطابق اپنی زندگی کی اصلاح کی تو اس کا یہ عمل آخرت میں اس کی شفاعت کا موجب بنے گا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ بات پیش ہو گی کہ اس بندے نے آپ کی کتاب پڑھی تھی۔ اس کے دل میں ایمان تھا جس کی بنا پر اُس نے اس کتاب کی طرف رجوع کیا تھا اور اس کے پڑھنے میں اپنا وقت صرف کیا تھا۔ اس نے اس سے احکام معلوم کرنے اور ہدایات حاصل کرنے اور پھر اپنی زندگی کو ان کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی تھی۔ یہ ساری چیزیں اس نے ایمان ہی کی بنا پر تو کی تھیں۔ اس لیے آپ اس بندے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی سورۂ کہف پڑھ رہا تھا اور اس کے قریب ہی ایک گھوڑا دو رسیوں کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس دوران میں ایک بادل سا اس پر سایہ فگن ہوا، اور وہ آہستہ آہستہ نیچے آتا چلا گیا۔ جیسے جیسے وہ نیچے آتا رہا اس کا گھوڑا زیادہ اچھلنے کودنے لگا۔ جب صبح ہوئی تو وہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپؐ سے اس واقعے کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ سکینت تھی جو قرآن کے ساتھ نازل ہو رہی تھی۔ (متفق علیہ)

گزشتہ حدیث کے برعکس یہاں فرشتوں کے بجائے سکینت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سکینت کی تشریح کرنا بڑا مشکل ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف مقامات پر آیا ہے اور اس کے مختلف مفہوم ہیں ــــــــ سکینت سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت بھی ہے جو انسان کے دل میں اطمینان، سکون اور ٹھنڈک پیدا کرتی ہے اور اس کو روحانی حیثیت سے تسکین بہم پہنچاتی ہے۔ اور اس سے مراد وہ نصرت بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ خاص آتی ہے۔ اس سے مراد وہ فرشتے بھی ہو سکتے ہیں جو قرار و سکینت کا پیغام لے کر آتے ہیں۔ بنابریں یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا یہ لفظ یہاں فرشتوں کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، یا یہ اللہ کی رحمت کی کوئی اور شکل تھی جو ان صاحب کے قریب آئی تھی۔

یہ معاملہ بھی ہر ایک کے ساتھ پیش نہیں آتا اور خود ان صاحب کے ساتھ بھی ہمیشہ پیش نہیں آتا تھا۔ وہ کوئی خاص کیفیت تھی جو ان پر گزری۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا معنی اور مفہوم بتانے کے لیے خود موجود نہ ہوتے تو وہ

صحابی ہمیشہ کے لیے حیران ہی رہتے کہ یہ ان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا۔

ان دونوں روایتوں میں اس خاص کیفیت میں گھوڑے کے بدکنے اور اُچھلنے کودنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات حیوانات وہ چیزیں دیکھتے ہیں جو انسانوں کو نظر نہیں آتیں۔ یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ زلزلہ آنے سے پہلے پرندے غائب ہو جاتے ہیں۔ جانوروں کو پہلے سے پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی چیز پیش آنے والی ہے۔ وبائیں آنے سے پہلے کتے اور دوسرے جانور چیخنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کچھ ایسے حواس عطا کر دیتے ہیں جو انسانوں کو حاصل نہیں ہیں۔ اس بنا پر انھیں بعض ایسی چیزوں کا علم یا احساس ہو جاتا ہے جو انسان کے دائرہ علم و احساس سے باہر ہوتی ہیں۔

۱۰- قرآنِ مجید کی سب سے بڑی سُورت ـــــ سُورۂ فاتحہ

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُعَلّٰی قَالَ: کُنْتُ اُصَلِّیْ فِی الْمَسْجِدِ فَدَعَانِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ اُجِبْہُ ثُمَّ اَتَیْتُہٗ فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ کُنْتُ اُصَلِّیْ، قَالَ: اَلَمْ یَقُلِ اللّٰہُ اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ، ثُمَّ قَالَ: اَلَا اُعَلِّمُکَ اَعْظَمَ سُوْرَۃٍ فِی الْقُرْاٰنِ قَبْلَ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ، فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَلَمَّا اَرَدْنَا اَنْ نَخْرُجَ قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ قُلْتَ لَاُعَلِّمَنَّکَ اَعْظَمَ سُوْرَۃٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو سعید بن معلّی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مسجدِ نبوی میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دے کر بلایا لیکن میں نے جواب نہ دیا (کیونکہ میں نماز پڑھ رہا تھا)۔ پھر نماز ختم کر کے میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں نماز پڑھ رہا تھا (اس لیے فوراً حاضر نہیں ہو سکا)۔ آپؐ نے فرمایا: کیا اللہ نے یہ حکم نہیں دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک کہو جبکہ وہ تمھیں بلائیں ——— پھر حضورؐ نے فرمایا: کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کہ قرآنِ مجید کی سب سے بڑی سورت کونسی ہے؟ قبل اس کے کہ ہم تم مسجد سے نکلیں؟ ——— پھر آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور جب ہم مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ آپؐ نے فرمایا تھا کہ آپ مجھے قرآنِ مجید کی سب سے بڑی سورت کے متعلق بتائیں گے ——— آپؐ نے فرمایا کہ وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (یعنی سورۃ فاتحہ) ہے۔ یہی سَبْعَہ مَثَانِی ہے (سات بار بار پڑھی جانے والی آیتیں) اور اس کے ساتھ عظیم قرآن ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ (بخاریؒ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھنے کے دوران میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انھیں طلب فرمانے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب حضورؐ نے انھیں بلایا تھا تو وہ نفل نماز پڑھ رہے تھے کیونکہ فرض

نماز تو جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ادا کی جاتی تھی ۔ چنانچہ حضورؐ کے آواز دینے پر ان کا یہ فرض تھا کہ وہ نفلی نماز چھوڑ دیتے اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے کیونکہ اللہ کے رسولؐ کی پکار پر لبیک کہنا تو ہے فرض اور وہ پڑھ رہے تھے نفل نماز ــــــــ ایک مومن کو جب اللہ کے رسولؐ کی طرف سے بلایا جائے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس پر لبیک کہے ۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ ہدایت اُس دور کے ساتھ ہی ختم ہو گئی ہے ۔ نہیں، بلکہ یہ بات آج بھی اسی طرح سے اہم ہے ۔ اُس وقت اللہ کے رسولؐ کی آواز لوگ کانوں سے سنتے تھے، آج اللہ کے رسولؐ کی آواز آپ دل کے کانوں سُن سکتے ہیں، بشرطیکہ دل کے کان ہوں ۔ جب اللہ کے رسولؐ کی آواز آپ کے دل میں آئے کہ فلاں کام ممنوع ہے تو آپ کا یہ فرض ہے کہ آپ رُک جائیں ۔ اگر آپ نہیں رُکتے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے رسولؐ کی پکار سُنی تو ضرور مگر اس پر لبیک نہیں کی ۔ چنانچہ اگر دل کے کان ہوں تو آپ آج بھی صاف سُن سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کس فریضے کی طرف پکار رہے ہیں اور آپ پر کیا فرض عائد ہوتا ہے ۔

اَلسَّبۡعُ الۡمَثَانِیۡ سے مراد وہ سات آیتیں ہیں جو نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں، یعنی سورۃ فاتحہ ــــــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سات آیتیں ہیں جو قرآن کی سب سے بڑی سورت ہیں اور اس کے ساتھ قرآن مجید ہے ۔ قرآن مجید میں یہ بتایا ہے کہ یہ سات آیتیں ہیں جو مثانی

ہیں، اور اس کے ساتھ قرآن مجید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک طرف پورا قرآن ہے اور دوسری طرف یہ سورۂ فاتحہ ہے۔ اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مضمون اخذ فرمایا کہ یہ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت ہے کیونکہ پورے قرآن کے مقابلے میں اس ایک سورت کو رکھا گیا ہے ـــــــ غور کیجئے کہ یہاں سب سے بڑی سورت کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ سورۂ فاتحہ اپنے الفاظ اور آیتوں کی کثرت کے لحاظ سے سب سے بڑی سورت ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مضمون کے لحاظ سے سب سے بڑی ہے کیونکہ قرآن مجید کی ساری تعلیم کا خلاصہ اس میں آگیا ہے۔

۱۱- قرآن سے گھروں کو آباد کرو!

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْفِرُ مِنَ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُقْرَاُ فِیْہِ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ۔

(رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ (مسلم)

اس حدیث میں دو مضمون بیان کیے گئے ہیں:

۱؎ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ۔ (الحجر - ۸۷، پ ۱۴)

ترجمہ: ہم نے تم کو سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار دہرائی جانے کے لائق ہیں اور تمہیں قرآن عظیم عطا کیا ہے۔

پہلا مضمون یہ ہے کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ تمہارے گھروں کی یہ کیفیت نہ ہو کہ ان میں نہ کوئی نماز پڑھنے والا ہو اور نہ قرآن پڑھنے والا۔ یعنی ان کو دیکھ کر یہ معلوم ہی نہ ہوتا ہو کہ ان کے اندر ایمان رکھنے والے اور قرآن پڑھنے والے لوگ بستے ہیں۔ اگر کیفیت یہ ہو تو گویا وہ گھر قبرستان ہیں۔ وہ زندہ انسانوں کی نہیں بلکہ مُردوں کی بستی ہیں۔

اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ساری کی ساری نماز مسجدوں ہی میں ادا نہ کرو بلکہ نماز کا کچھ حصّہ گھروں میں بھی ادا کیا کرو۔ اگر گھروں میں نماز نہ پڑھی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسجدوں کو تو آپ نے آباد کر لیا لیکن گھر قبرستان کی طرح ہو گئے۔ اس لیے ایسی صورت ہونی چاہیئے کہ مسجدیں بھی آباد ہوں اور گھر بھی۔ اسی بنا پر اس بات کو پسند کیا گیا ہے کہ فرض نماز تو جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کی جائے اور سُنتیں اور نوافل وغیرہ گھر میں آکر ادا کئے جائیں تاکہ دونوں جگہیں آباد ہوں۔

دوسرا مضمون یہ بیان فرمایا گیا کہ شیطان ایسے گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے ——— قرآن مجید کی فضیلت بحیثیتِ مجموعی تو الگ ہے اور ایک ایک سورت کے فضائل الگ ہیں۔ یہاں سورۂ بقرہ کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جس گھر میں وہ پڑھی جاتی ہے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے ——— ایسا کیوں ہے؟ ——— اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں معاشرتی اور گھریلو زندگی کے سارے قواعد تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ نکاح اور طلاق وغیرہ کے متعلق مکمل قانون بھی اس میں بیان کر دیا گیا ہے ——— معاشرت کو بہتر رکھنے کے جملہ اصول و قواعد بھی اس میں آ گئے ہیں۔ اس لیے جس گھر میں سورۂ بقرہ سمجھ کر پڑھی جاتی

ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے وہاں شیطان کبھی فتنہ و فساد برپا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ شیطان کو فتنے برپا کرنے کا موقع اسی جگہ ملتا ہے جہاں لوگوں کو یا تو اللہ تعالیٰ کے وہ احکام معلوم نہ ہوں جن میں انسانی زندگی کی اصلاح کے قاعدے اور ضابطے بتائے گئے ہیں اور یا احکام معلوم تو ہوں لیکن ان کی خلاف ورزی کی جا رہی ہو۔ لیکن جہاں احکام بھی معلوم ہوں اور ان کی اطاعت بھی کی جا رہی ہو وہاں شیطان کو کام کرنے کا موقع نہیں ملتا اور نہ وہ کوئی فتنہ برپا کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

۱۲۔ قرآن مجید قیامت کے روز شفیع بن کر آئے گا

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِقْرَأُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّہٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شَفِیْعًا لِاَصْحَابِہٖ، اِقْرَأُوا الزَّھْرَاوَیْنِ الْبَقَرَۃَ وَسُوْرَۃَ اٰلِ عِمْرَانَ فَاِنَّھُمَا تَاْتِیَانِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کَاَنَّھُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ غَیَابَتَانِ اَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَیْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِھِمَا، اِقْرَأُوْا سُوْرَۃَ الْبَقَرَۃِ فَاِنَّ اَخْذَھَا بَرَکَۃٌ وَتَرْکَھَا حَسْرَۃٌ وَلَا یَسْتَطِیْعُھَا الْبَطَلَۃُ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے، قرآن مجید پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں

کے لیے شفیع (سفارش کرنے والا) بن کر آئے گا ——— دو
چمکتی ہوئی روشن سورتیں البقرہ اور آل عمران پڑھا کرو۔ کیونکہ
یہ دونوں قیامت کے روز اس طرح سے آئیں گی جیسے کہ وہ
چھتریاں ہیں یا سایہ کرنے والے بادل ہیں یا پرندوں کے دو جھنڈ
ہیں جو پر پھیلائے ہوتے ہوں۔ وہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف
سے حجت پیش کرنے والی ہوں گی ——— سورۃ البقرہ
پڑھا کرو کیونکہ اس کا اختیار کرنا برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا
حسرت ہے اور باطل پرست اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔
(مسلم)

اس حدیث میں پہلی بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ قرآن مجید پڑھا
کرو کیونکہ وہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے لیے شفیع بن
کر آئے گا۔ شفیع بن کر آنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ انسانی شکل میں
کھڑا ہو کر سفارش کرے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے
دنیا میں قرآن پڑھا اور اس کے مطابق اپنی زندگی کی اصلاح کی تو اس
کا یہ عمل آخرت میں اس کی شفاعت کا موجب بنے گا۔ قیامت کے
روز اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ بات پیش ہو گی کہ اس بندے نے آپ
کی کتاب پڑھی تھی۔ اس کے دل میں ایمان تھا جس کی بنا پر اُس نے
اس کتاب کی طرف رجوع کیا تھا اور اس کے پڑھنے میں اپنا وقت
صرف کیا تھا۔ اس نے اس سے احکام معلوم کرنے اور ہدایات حاصل
کرنے اور پھر اپنی زندگی کو ان کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی تھی۔
یہ ساری چیزیں اس نے ایمان ہی کی بنا پر تو کی تھیں۔ اس لیے آپ اس بندے

جواب دیا تو حضورؐ نے آپ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ تمھیں یہ علم مبارک ہو۔ واقعی تم نے صحیح سمجھا ہے۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی اور اہم آیت یہی ہے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور دلانے ہی کے لیے آیا ہے۔ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور حاصل نہ ہو تو باقی ساری تعلیم بے معنی ہو جاتی ہے۔ توحید آدمی کی سمجھ میں آجانے کا مطلب یہ ہے کہ دین کی بنیاد قائم ہو گئی۔ اس بنا پر قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت وہ ہے جس میں توحید کے مضمون کو بہترین طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

۱۵- آیۃ الکرسی کی فضیلت کے متعلق ایک عجیب واقعہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ وَكَّلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكٰوةِ رَمَضَانَ فَاَتَانِیْ اٰتٍ فَجَعَلَ یَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ وَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَعَلَیَّ عِیَالٌ وَلِیْ حَاجَةٌ شَدِیْدَةٌ، قَالَ فَخَلَّیْتُ عَنْهُ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِیْرُكَ الْبَارِحَةَ، قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكٰى حَاجَةً شَدِیْدَةً وَعِیَالًا فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّیْتُ سَبِیْلَهٗ، قَالَ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ كَذَبَكَ وَسَیَعُوْدُ، فَعَرَفْتُ اَنَّهٗ سَیَعُوْدُ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ سَیَعُوْدُ فَرَصَدْتُهٗ فَجَآءَ یَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ

مگر اُس نے اس سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا، اس کی کچھ قدر نہ کی ـــــــ پھر فرمایا کہ باطل پرست لوگ اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ مراد یہ ہے کہ جس شخص کے اندر ذرّہ برابر بھی باطل پرستی موجود ہوگی وہ اس سورہ کو برداشت نہیں کر سکے گا کیونکہ اس کے اندر اوّل سے لے کر آخر تک ایسے باطل شکن مضامین بیان کئے گئے ہیں کہ کوئی باطل پرست اس سورت کا تحمل نہیں کر سکتا۔

۱۳۔ سورۃ البقرہ اور آلِ عمران اہلِ ایمان کی پیشوائی کریں گی۔

عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: يُؤْتٰى بِالْقُرْاٰنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَهْلِهِ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهٖ تَقْدُمُهٗ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَاٰلِ عِمْرَانَ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ اَوْ كَاَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: قیامت کے روز قرآن مجید اور وہ لوگ کہ جو اس کے مطابق عمل کیا کرتے تھے لائے جائیں گے اور ان کے آگے سورۂ بقرہ اور آلِ عمران ہوں گی۔ اس طرح کہ گویا وہ بادل ہیں یا ابر سیاہ ہیں جن کے اندر چمک اور روشنی ہے یا وہ پرندوں کے جھنڈ ہیں جو اپنے پر پھیلائے ہوتے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں کے لیے حجت پیش کرتی ہوئی آئیں گی۔

(مسلم)

گزشتہ حدیث میں بھی یہی مضمون تھوڑے سے فرق کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کی روایت کرنے والے دونوں صحابیوں نے ایک ہی وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہو اور دونوں نے اپنے اپنے الفاظ میں اسے بیان کیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مضمون متعدد مواقع پر بیان فرمایا ہو اور دونوں صحابیوں کی روایتیں دو مختلف مواقع سے تعلق رکھتی ہوں ـــــ بہرحال یہ بات واضح ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا مضمون قریب قریب یکساں ہے۔

پہلی روایت میں صرف قرآن مجید پڑھنے والوں کا ذکر تھا لیکن اس حدیث میں اس کے مطابق عمل کرنے والوں کا ذکر ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید اگر شفیع ہو سکتا ہے تو انہی لوگوں کے لیے ہو سکتا ہے جو محض اسے پڑھ کر ہی نہ رہ جائیں بلکہ اس کے مطابق عمل بھی کریں۔ بالفرض اگر کوئی شخص قرآن مجید پڑھتا تو ہے لیکن اس کے مطابق عمل نہیں کرتا تو قرآن اس کے حق میں حجت نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت ہو گئی ہے کہ قرآن مجید اپنے اُن پڑھنے والوں کی شفاعت اور حمایت کرے گا جو اس کے مطابق عمل بھی کرنے والے ہوں۔ قیامت کے روز جب اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کے حضور میں جائیں گے تو ان کو لے کر جانے والا قرآن ہو گا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو گویا یہ ان کے پاس ان معنوں میں ایک حجت ہو گا کہ حضور یہ آپ کا ہدایت نامہ تھا اور اس کے مطابق ہم دنیا میں

تھا۔ پس ایک رات، ایک آنے والا آیا اور وہ اس غلّے وغیرہ کو سمیٹنے لگا (جو وہاں جمع تھا) ۔ میں نے اُسے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ کہنے لگا، میں محتاج آدمی ہوں، میرے بال بچے ہیں اور میں بہت حاجت مند ہوں ـــــ میں نے (ترس کھا کر) اسے چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا، اے ابوہریرہؓ، رات جس شخص کو تم نے پکڑا تھا اس کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ، اس نے اپنی سخت حاجت مندی بیان کی اور کہا کہ میرے بہت بال بچے ہیں، اس لیے میں نے اس پر ترس کھا کر اسے چھوڑ دیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اُس نے تم سے جھوٹ بولا، وہ پھر آئے گا ـــــ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ضرور آئے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ پھر آئے گا۔ پس میں اس کی تاک میں لگا رہا۔ رات وہ پھر آیا اور غلّہ وغیرہ سمیٹنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ میں تمہیں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کروں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو کیونکہ میں محتاج آدمی ہوں اور میرے بال بچے ہیں۔ اب میں پھر نہیں آؤں گا۔ میں نے پھر اس پر رحم کیا اور اسے چھوڑ دیا۔ دوسرے روز صبح، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا: اے ابوہریرہؓ تمہارے قیدی کا کیا بنا؟ ـــــ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، اس نے اپنی سخت حاجتمندی کی شکایت کی اور کہا کہ میرے بہت بال

وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ: يَا اَبَا الْمُنْذِرِ، اَتَدْرِيْ اَيُّ اٰيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللهِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ، قُلْتُ: اَللهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ قَالَ فَضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ وَقَالَ: لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے ابو منذر، جانتے ہو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی جو کتاب (قرآن مجید) ہے اس کی کونسی آیت سب سے بڑی ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اُس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے۔ حضورؐ نے پھر ارشاد فرمایا: اے ابو منذر، کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی جو کتاب ہے اس کی سب سے بڑی آیت کونسی ہے؟ میں نے عرض کیا: اَللهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (یعنی آیت الکرسی)۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اے ابو منذر، یہ علم تمہیں مبارک ہو۔

(مسلم)

ابو منذر حضرت اُبَیّ بن کعب کی کنیت ہے۔ حضرت اُبَیّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن صحابیوں میں سے تھے جو قرآن کے سب سے زیادہ جاننے والے اور قرآن مجید کے ناقل تھے اور صحابہ کرامؓ میں سے بہترین فہم قرآن کے حامل سمجھے جاتے تھے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ تعلیم میں سے ایک طریقہ ہے۔

آپ صحابہؓ کرام رضی سے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ انھوں نے اللہ کے دین کو اور قرآن کو کتنا کچھ سمجھا ہے بعض اوقات خاص خاص سوالات کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا یہ طریقہ تھا کہ حضورؐ کے سوال پر اس اُمید میں کہ کچھ مزید معلومات حاصل ہوں گی وہ اپنے علم کے مطابق جواب دینے کے بجائے یہ عرض کیا کرتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ معلوم ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ بات خود بتائیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال کرنے سے یہ ارادہ ہوتا تھا کہ صحابہ کرام کو مزید علم سکھائیں تو صحابہؓ کے یہ عرض کرنے پر کہ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ آپؐ اپنے سوال کا خود جواب دے دیا کرتے تھے۔ اور اگر آپؐ کا ارادہ اُن کی معلومات کو جانچنے ہی کا ہوتا تھا تو آپؐ اپنے سوال کو پھر دہراتے تھے تاکہ صحابہؓ اپنی طرف سے جواب دیں۔ یہاں یہی صورت پیش آئی۔ حضورؐ نے حضرت اُبیؓ بن کعب سے پہلی دفعہ سوال کیا تو انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ اللہ اور اُس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے مگر چونکہ حضورؐ کے پیشِ نظر یہ معلوم کرنا تھا کہ حضرت اُبیؓ بن کعبؓ کے فہم میں قرآن مجید کی سب سے زیادہ وزنی آیت کونسی ہے اس لیے آپؐ نے دوبارہ وہی سوال کیا۔ اس پر انھوں نے عرض کیا کہ سب سے بڑی آیت آیت الکرسی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جواب کی تصویب فرمائی۔

آیت الکرسی کی یہ عظمت اور اہمیت اس بنا پر ہے کہ یہ قرآن مجید کی ان چند آیتوں میں سے ہے جن میں توحید کی مکمل تعریف بیان ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بہترین بیان ایک تو سورہ حشر کی آخری آیات ہیں، ایک سورہ الفرقان کی ابتدائی آیات ہیں، ایک سورہ اخلاص ہے اور ایک یہ آیت الکرسی ہے ـــــــــــ جب حضرت اُبیؓ بن کعبؓ نے یہ

جواب دیا تو حضورؐ نے آپ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ تمھیں یہ علم مبارک ہو۔ واقعی تم نے صحیح سمجھا ہے۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی اور اہم آیت یہی ہے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور دلانے ہی کے لیے آیا ہے۔ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور حاصل نہ ہو تو باقی ساری تعلیم بے معنی ہو جاتی ہے۔ توحید آدمی کی سمجھ میں آجانے کا مطلب یہ ہے کہ دین کی بنیاد قائم ہو گئی۔ اس بنا پر قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت وہ ہے جس میں توحید کے مضمون کو بہترین طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

۱۵- آیۃ الکرسی کی فضیلت کے متعلق ایک عجیب واقعہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ وَكَّلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكٰوةِ رَمَضَانَ فَاَتَانِیْ اٰتٍ فَجَعَلَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ وَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَعَلَیَّ عِيَالٌ وَلِیْ حَاجَةٌ شَدِيْدَةٌ، قَالَ فَخَلَّيْتُ عَنْهُ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ الْبَارِحَةَ، قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكٰى حَاجَةً شَدِيْدَةً وَعِيَالًا فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ، قَالَ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ، فَعَرَفْتُ اَنَّهٗ سَيَعُوْدُ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ سَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُّهٗ فَجَآءَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ

فَأَخَذْتُهُ فَقُلْتُ لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعْنِيْ فَإِنِّيْ مُحْتَاجٌ وَعَلَيَّ عِيَالٌ
لَا أَعُوْدُ فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ
لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ
مَا فَعَلَ أَسِيْرُكَ، قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكَى حَاجَةً شَدِيْدَةً
وَعِيَالًا فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ، فَقَالَ أَمَا إِنَّهُ قَدْ
كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُهُ فَجَاءَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ
فَأَخَذْتُهُ فَقُلْتُ لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا آخِرُ ثَلَاثِ مَرَّاتٍ إِنَّكَ تَزْعُمُ
لَا تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ، قَالَ دَعْنِيْ أُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ
اللّٰهُ بِهَا إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ
اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ حَتّٰى تَخْتِمَ الْآيَةَ فَإِنَّكَ
لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ
حَتّٰى تُصْبِحَ، فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ لِيْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَعَلَ أَسِيْرُكَ
قُلْتُ زَعَمَ أَنَّهُ يُعَلِّمُنِيْ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُنِيَ اللّٰهُ بِهَا،
قَالَ أَمَا إِنَّهُ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوْبٌ وَتَعْلَمُ مَنْ
تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلَاثِ لَيَالٍ، قُلْتُ لَا، قَالَ ذَاكَ شَيْطَانٌ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوٰۃ رمضان کی حفاظت کا کام سونپا

تھا۔ پس ایک رات، ایک آنے والا آیا اور وہ اس غلّے وغیرہ کو سمیٹنے لگا (جو وہاں جمع تھا) ۔ میں نے اُسے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ کہنے لگا، میں محتاج آدمی ہوں، میرے بال بچے ہیں اور میں بہت حاجت مند ہوں ——— میں نے (ترس کھا کر) اسے چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا، اے ابوہریرہؓ، رات جس شخص کو تم نے پکڑا تھا اس کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، اس نے اپنی سخت حاجت مندی بیان کی اور کہا کہ میرے بہت بال بچے ہیں، اس لیے میں نے اس پر ترس کھا کر اسے چھوڑ دیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اُس نے تم سے جھوٹ بولا، وہ پھر آئے گا ——— مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ضرور آئے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ پھر آئے گا۔ پس میں اس کی تاک میں لگا رہا۔ رات وہ پھر آیا اور غلّہ وغیرہ سمیٹنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ میں تمھیں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کروں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو کیونکہ میں محتاج آدمی ہوں اور میرے بال بچے ہیں۔ اب میں پھر نہیں آؤں گا۔ میں نے پھر اس پر رحم کیا اور اسے چھوڑ دیا۔ دوسرے روز صبح، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا: اے ابوہریرہؓ تمھارے قیدی کا کیا بنا؟ ——— میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، اس نے اپنی سخت حاجتمندی کی شکایت کی اور کہا کہ میرے بہت بال

بچے ہیں اس لیے میں نے اس پر رحم کیا اور اسے پھر چھوڑ دیا ــــــ حضورؐ نے پھر ارشاد فرمایا : اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے ' وہ پھر آئے گا ــــــ میں پھر اس کی تاک میں لگا رہا ۔ وہ پھر آیا اور غلہ وغیرہ سمیٹنے لگا ۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ اب کے میں تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کروں گا تا ۔ یہ تیسری اور آخری مرتبہ ہے ۔ ہر دفعہ تو کہتا ہے کہ میں پھر نہیں آؤں گا اور پھر آجاتا ہے ۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو ۔ میں تمہیں کچھ ایسے کلمات سکھاتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ تمہیں فائدہ پہنچائے گا ۔ جب تم رات کو سونے کے لیے اپنے بستر پر لیٹ جاؤ تو آیت الکرسی اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ آخر آیت تک پڑھ لیا کرو ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ کی طرف سے تمہاری حفاظت ہوتی رہے گی اور صبح تک کوئی شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا ۔ جب اس نے یہ چیز مجھے سکھائی تو میں نے اسے چھوڑ دیا ــــــ اگلی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھ سے دریافت فرمایا کہ تمہارے قیدی کا کیا ہوا ؟ ــــــ میں نے پھر عرض کیا : اس نے مجھے کچھ کلمات سکھائے ہیں اور اس کا دعویٰ تھا کہ ان کلمات کی بدولت اللہ تعالیٰ مجھے نفع پہنچائے گا ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : بات تو اس نے سچی کہی مگر ہے وہ نہایت جھوٹا ! ــــــ تمہیں معلوم ہے کہ تین راتوں سے تم کس کے ساتھ مخاطب تھے ؟ ــــــ میں نے عرض کیا کہ نہیں ۔ میں نہیں جانتا ۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا وہ ایک شیطان تھا ۔ (بخاری)

زکوٰۃ رمضان سے مراد کھانے پینے کا وہ سامان، غلہ اور ایسی چیزیں ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے زمانے میں تقسیم کی خاطر رکھتے تھے۔ دن کے وقت تقسیم ہوتے جو بچ جاتا رات کو اس کی حفاظت کی ضرورت پیش آتی۔ ایک دفعہ جب حضرت ابوہریرہؓ اس سامان کی حفاظت پر مقرر تھے تو یہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔

یہ اس طرح کے واقعات میں سے ہے جن کے بارے میں انسان کوئی توجیہہ نہیں کرسکتا کہ ایسا کیونکر ہوا۔ بہرحال اس طرح کی صورتیں بعض اوقات انسانوں کے ساتھ پیش ضرور آتی ہیں ——— حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ بھی یہ شکل پیش آئی۔

یہ حدیث فضائل القرآن کے باب میں اس وجہ سے نقل کی گئی ہے کہ شیطان خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس شخص پر اس کا کوئی بس نہیں چلتا جو رات کو آیت الکرسی پڑھ کر سوتا ہے۔

یہ بات پہلے بھی بیان کی جاچکی ہے کہ قرآن مجید میں چند مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی توحید کو بہترین طریقے سے بیان کیا گیا ہے، اور توحید کا مکمل تصور پیش کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک مقام یہ آیت الکرسی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جس آدمی کے دل ودماغ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا تصور رچ بس گیا ہو اس پر شیطان کا بس کہاں چل سکتا ہے۔ شیطان تو اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔

آیت الکرسی کے کلمات بذات خود بھی بابرکت ہیں لیکن اگر پڑھنے والا سمجھ بھی رہا ہو کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے تو پھر اس پر کسی شیطان کا زور نہیں چل سکتا۔

———

اس میں آگیا ہے۔ اس خصوصی شان کی کوئی چیز پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی۔

دوسرا نور جس کی خوشخبری اس فرشتے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی وہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات ہیں یعنی لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ سے لے کر آخر رکوع تک انصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ تک۔

ان آیات میں توحید کا پورا بیان اور انبیاء علیہم السلام کی ساری تعلیم کا خلاصہ سمو دیا گیا ہے، پورے کے پورے اسلامی عقائد بیان کر دیے گئے ہیں اور اہلِ ایمان کو یہ بتا دیا گیا ہے کہ اگر حق و باطل کی آویزش میں کفر کی تمام طاقتیں بھی ان کے مقابلے میں ڈٹ جائیں تب بھی انھیں صرف اللہ کے بھروسے پر ان کا مقابلہ کرنا چاہیے اور اللہ ہی سے نصرت اور کامیابی کے لیے مدد مانگنی چاہیے۔ ان آیات کے انہی غیر معمولی مضامین کی بنا پر ان کو ایسا نور قرار دیا گیا ہے جو پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوا۔

۱۷۔ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْاٰيَتَانِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَاَ بِهِمَا فِيْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رات کو سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے گا۔ وہ اس کے لیے کافی ہوں گی۔

(متفق علیہ)

مراد یہ ہے کہ یہ دو آیتیں آدمی کو ہر طرح کے شر سے بچانے کے

جو آپ ہی کو دیئے گئے ہیں۔ ایک سورۂ فاتحہ اور دوسری سورۃ البقرہ کی آخری آیات ـــــــ ان دونوں کا اگر ایک حرف بھی آپ پڑھیں گے تو جو دُعا آپ مانگیں گے وہ آپ کو عطا کی جائے گی۔

(مسلم)

اس حدیث کو پڑھتے ہوئے پہلا سوال جو آدمی کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آسمان کا دروازہ کھلنا اور اس سے ایسی آواز کا آنا جیسے یکایک کھلتا ہے کیا معنی رکھتا ہے؟ ـــــــ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ سمجھ لینی چاہیئے کہ آسمان کے کسی دروازہ کے کھلنے کی آواز سننے والے جبریلؑ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے ہم اور آپ نہیں ہیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ یہ ایسے معاملات ہیں جو ہمارے حواس سے ماوراء ہیں۔ لیکن انہیں جب بھی بیان کیا جائے گا لامحالہ اسی زبان میں بیان کیا جائے گا جو انسان بولتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ انسانی زبان میں ان احوال و کیفیات کو ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں اور نہیں ہو سکتے کیوں وہ احوال اور وہ کیفیات کبھی انسان کے تجربے میں نہیں آتیں اس لیے لامحالہ جب کبھی ان چیزوں کو بیان کیا جائے گا استعارہ اور تمثیل کی زبان میں بیان کیا جائے گا ـــــــ دُنیا میں جس طرح کوئی پھاٹک کھولا جاتا ہے اُسی طرح عالم بالا کی بھی بہت سی بندشیں ہیں جنھیں کھولا جاتا تب کہیں کوئی چیز ان سے گزر کر آتی یا جاتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ ہمہ وقت کھلا ہوا ہو کہ جو چیز جس وقت چاہے آئے یا جائے ـــــــ اس سے معلوم ہوا کہ آسمان کی کسی بندش کے کھلنے اور اُوپر سے کسی فرشتے کے نیچے آنے کی کوئی کیفیت ہے جس کو پھاٹک کھلنے کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ کیفیت لامحالہ محسوس تو ہوتی ہے مگر اس کو محسوس صرف اللہ کا فرشتہ یا اس کا رسول کر سکتا ہے ہم اسے

محسوس نہیں کر سکتے کیونکہ یہ صلاحیت ہم جیسے عام انسانوں کو میسر نہیں ہے۔

دوسری چیز جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جو فرشتہ حضورؐ کو خوشخبری سنانے کے لیے حاضر ہوا وہ اس سے پہلے کبھی زمین کی طرف نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خاص یہی پیغام پہنچانے کے لیے زمین کی طرف بھیجا تھا۔ ورنہ وہ زمین کی طرف آنے والے فرشتوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے آکر جو پیغام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا وہ یہ تھا کہ آپؐ کو مبارک ہو۔ آپؐ کو دو ایسی بے نظیر چیزیں دی گئی ہیں جو پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ان میں سے ایک چیز سورۂ فاتحہ ہے اور دوسری البقرہ کی آخری آیات۔

واقعہ یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے چند فقروں میں اتنا بڑا مضمون بیان کیا گیا ہے کہ پورے قرآن مجید کا خلاصہ اس میں آگیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد ہے کہ مجھے ایسے الفاظ اور کلمات عطا کئے گئے ہیں جن سے بڑے بڑے مضامین چند فقروں میں ادا ہو گئے ہیں۔

انجیل کے ساتھ قرآن مجید کا مقابلہ کر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بات بعض اوقات انجیل کے کئی کئی صفحات میں بیان کی گئی ہے وہ قرآن کے ایک فقرے میں بیان کر دی گئی ہے۔ بالخصوص سورۂ فاتحہ اس اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے بے نظیر ہے ــــــــ تاہم سورۂ فاتحہ کی اس امتیازی شان کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ اس میں جو مضامین آتے ہیں وہ پہلے کسی نبی پر نہیں آئے۔ ایسا نہیں ہے کیونکہ سارے انبیاء یہی تعلیم لے کر آتے تھے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ اس سورہ کے چند فقروں میں وسیع معانی کا ایک سمندر سمیٹ دیا گیا ہے اور پوری تعلیم دین کا خلاصہ

کو یاد کرے اور اپنے دل و دماغ میں بٹھائے وہ دجّال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ دجّال کا فتنہ بھی اسی نوعیت کا ہو گا جیسا کہ اُس وقت ان نوجوانوں کو پیش آیا تھا ——— اس لیے جس آدمی کے سامنے اصحاب کہف کی یہ نظیر موجود ہو گی وہ دجّال کے آگے نہیں جھکے گا۔ البتہ جو آدمی اس نظیر کو بھول گیا وہ دجّال کے فتنے میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر فرمایا گیا کہ جو شخص ان آیات کو اپنے ذہن میں محفوظ کرے گا وہ دجال کے فتنے سے بچ جائے گا۔

۱۹ - سورۂ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اَیَعْجِزُ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّقْرَاَ فِیْ لَیْلَۃٍ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ، قَالُوْا وَکَیْفَ یَقْرَاُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ، قَالَ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَرَوَاہُ الْبُخَارِیُّ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ ڈالے؟ ——— صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ، ایک رات میں تہائی قرآن کیسے پڑھ ڈالے؟ ——— آپ نے فرمایا: وہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھے کیونکہ یہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (مسلم، بخاریؒ)

لیے کافی ہیں۔ اگر کوئی شخص ان آیات کو اچھی طرح سے سمجھ کر پڑھے تو اُسے ان کی اہمیت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو سکتا ہے۔

۱۸۔ سورۂ کہف کی پہلی دس آیتوں کی فضیلت

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : مَنْ حَفِظَ عَشْرَ اٰیٰتٍ مِّنْ اَوَّلِ سُوْرَۃِ الْکَہْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ (رواہ مسلم)

حضرت ابُوالدّرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص سورۂ کہف کی دس ابتدائی آیتیں یاد کرے گا وہ دجّال (کے فتنے) سے محفوظ رہے گا۔ (مسلم)

سورۂ کہف کے ابتدائی حصے میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جس زمانے میں رومی سلطنت میں عیسائیوں پر سخت ظلم و ستم توڑے جا رہے تھے اور اُنھیں اس بات پر مجبور کیا جا رہا تھا کہ وہ ایک خدا کو چھوڑ کر رومیوں کے معبودوں اور دیوتاؤں کو تسلیم کریں اور انہی کے آگے سر جھکائیں، اس زمانے میں چند نوجوان حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور وہ اس فتنۂ عظیم سے بچنے کے لیے اپنا گھر بار چھوڑ چھاڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ اُنھوں نے فیصلہ کر لیا کہ ہمیں بہرحال اپنے رب سے منہ نہیں موڑنا ہے اور نہ شرک کو اختیار کرنا ہے، خواہ کچھ ہو جائے۔ چنانچہ وہ بغیر کسی سہارے کے صرف اللہ کے بھروسے پر پہاڑوں میں جا کر ایک غار میں بیٹھ گئے ——— فرمایا گیا کہ جو شخص سورہ کہف کی ان ابتدائی آیات

کو یاد کرے اور اپنے دل و دماغ میں بٹھائے وہ دجّال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ دجّال کا فتنہ بھی اسی نوعیت کا ہوگا جیسا کہ اُس وقت ان نوجوانوں کو پیش آیا تھا ـــــــ اس لیے جس آدمی کے سامنے اصحابِ کہف کی یہ نظیر موجود ہوگی وہ دجّال کے آگے نہیں جھکے گا۔ البتہ جو آدمی اس نظیر کو بھول گیا وہ دجّال کے فتنے میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر فرمایا گیا کہ جو شخص ان آیات کو اپنے ذہن میں محفوظ کرے گا وہ دجال کے فتنے سے بچ جائے گا۔

۱۹ - سورۂ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ فِي لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْآنِ، قَالُوْا وَكَيْفَ يَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ، قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَرَوَاهُ الْبُخَارِيُّ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ ڈالے؟" ـــــ صحابہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ، ایک رات میں تہائی قرآن کیسے پڑھ ڈالے؟" ـــــ آپ نے فرمایا: "وہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ پڑھے کیونکہ یہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔" (مسلمؒ، بخاریؒ)

قرآن کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن ان مضامین پر مشتمل ہے:
ایک احکام، دوسرے پچھلے انبیاء کے قصے اور حالات اور تیسرے عقائد کی تعلیم۔
چونکہ عقائد کی جڑ توحید ہے اور توحید کے بغیر عقیدۂ اسلام کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے اس لیے اس حدیث میں سورۂ اخلاص کو توحید کا مکمل بیان ہونے کی وجہ سے ایک تہائی قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے۔
غور کیجیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ تعلیم اور انداز تربیت کیسا بے نظیر تھا۔ حضورؐ ایسے الفاظ اور فقروں میں تعلیم دیتے تھے جن سے بات فوراً مخاطب کر کے دل میں اتر جاتی تھی۔ ایک آدمی کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کے لیے کہ سورۂ اخلاص کی کیا اہمیت ہے گھنٹوں تقریر کی جا سکتی ہے لیکن حضورؐ نے اتنی بڑی بات کو صرف ایک فقرے میں ادا کر دیا کہ اگر تم سورۂ اخلاص ایک مرتبہ پڑھ لو تو یہ گویا ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ایک جملے سے اس سورت کی جو اہمیت آدمی کے دماغ میں بیٹھتی ہے وہ گھنٹوں کی تقریر سے بھی نہیں بیٹھ سکتی۔ یہ حضورؐ کا خاص طرز تربیت تھا جس سے آپ نے صحابہ رضؓ کی تربیت فرمائی۔

۲۰- سورۂ اخلاص ـــــ اللہ کے تقرّب کا ذریعہ ہے

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا عَلٰى سَرِيَّةٍ وَكَانَ يَقْرَأُ لِاَصْحَابِهٖ فِيْ صَلٰوتِهِمْ فَيَخْتِمُ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا

ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ سَلُوْهُ لِاَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فَسَاَلُوْهُ فَقَالَ لِاَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَقْرَاَهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَخْبِرُوْهُ اَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک فوجی دستے کا کمانڈر بنا کر بھیجا۔ وہ صاحب اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے ہوئے اپنی قرأت کا خاتمہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (سورۂ اخلاص) پر ختم کیا کرتے تھے۔ جب یہ لوگ اس مہم سے واپس آئے تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات بیان کی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان صاحب سے جاکر پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ لوگوں نے ان سے جا کر پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کا وصف بیان کیا گیا ہے اس لیے میں اس کے پڑھنے کو محبوب رکھتا ہوں۔ یہ سُن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اُس شخص کو جاکر خبر دو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ (متفق علیہ)

سَرِیّہ اُس فوجی مہم کو کہتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود شامل نہ ہوں۔ اور اس کے برعکس غزوہ وہ فوجی مہم ہوتی ہے جس میں حضور بنفسِ نفیس شریک ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اور بعد میں بھی ایک مدت تک یہ دستور رہا کہ نماز کی امامت وہی شخص کرتا تھا جو جماعت کا امیر ہوتا تھا۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی فوجی دستے کا کمانڈر ہوتا

تو نماز پڑھانا اسی کا کام ہوتا تھا۔ اسی طرح مرکز میں خلیفہ خود نماز پڑھاتا اور خطبہ دیتا تھا ——— جس فوجی مہم کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اس کے کمانڈر کا یہ معمول تھا کہ وہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص لازماً پڑھتا تھا۔ جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں لائی گئی اور آپ کی ہدایت کے مطابق اس شخص سے دریافت کرنے پر اس کی وجہ معلوم ہوئی تو حضورؐ نے اسے بشارت دی کہ جب تم کو یہ سورت اس بنا پر محبوب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا وصف بہترین طریقے سے بیان ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی تمھیں محبوب رکھتا ہے۔

گزشتہ حدیث میں یہ بتایا گیا تھا کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو سورۂ اخلاص پسند کرنے کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونے کی خوشخبری دی۔

دنیا کی کسی کتاب میں توحید کو اتنے مختصر الفاظ اور ایسے جامع انداز میں بیان نہیں کیا گیا ہے کہ اس سے دنیا میں پائی جانے والی تمام گمراہیوں کی جڑ ایک ساتھ کٹ جاتی ہو۔ تمام کتب آسمانی جو تھوڑی بہت اس وقت دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ اس مضمون سے خالی ہیں۔ اسی بنا پر جو لوگ اس چیز کو سمجھتے تھے اور اس کی روح کو جانتے تھے وہ اس سورت سے بڑی محبت رکھتے تھے ——— خود اس سورت کا نام ——— سورۂ اخلاص ——— ہی اس حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے کہ یہ وہ سورت ہے جو خالص توحید کا سبق دیتی ہے' ایسی توحید کہ جس کے ساتھ شرک کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ اس لیے جو شخص اس بنا پر اسے محبوب رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا بھی محبوب ہے۔

۱۲- سورۂ اخلاص سے محبت جنت میں داخلے کا سبب ہے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَجُلاً قَالَ ، یَارَسُوْلَ اللّٰهِ

اِنِّیْ اُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ : قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قَالَ اِنَّ حُبَّكَ اِیَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَی الْبُخَارِیُّ مَعْنَاهُ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا : یارسول اللہ! مجھے یہ سورت ـــــ سورۂ اخلاص ـــــ بڑی محبوب ہے ۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا : اس سورت کے لیے تیری محبت نے تجھے جنت میں داخل کر دیا۔ (ترمذی، بخاری)

معلوم ہوا کہ اس سورت کا محبوب ہونا ایک فیصلہ کن چیز ہے۔ ایک شخص کے جنت میں جانے کا فیصلہ اس بات سے ہو گیا کہ اسے یہ سورت محبوب تھی ـــــ لیکن اس سورت کا محبوب ہونا بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ آدمی کا دل ہر شائبۂ شرک سے بالکل پاک ہو اور خالص توحید اس کے دل میں گھر کر گئی ہو ـــــ خالص توحید کا دل میں اُترنا ہی جنت کی کنجی ہے ۔ اگر توحید میں نقص ہو تو جنت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ آدمی کی زندگی میں دوسری خامیاں اور نقائص ہوں تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا لیکن توحید میں خلل ناقابلِ تلافی ہے ۔ اول تو خالص توحید اگر کسی کے دل میں بیٹھ جائے تو اس کے اندر باقی خامیاں اور نقائص بہت ہی کم رہ جائیں گے لیکن اگر رہ بھی جائیں تو اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے گی ۔ اور اگر بالفرض اسے توبہ کی توفیق بھی نصیب نہ ہوئی اور وہ توبہ کرنا بھول گیا تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مغفرت ہو جائے گی کیونکہ خالص توحید وہ اصل حقیقت ہے جس پر انسان کے خدا کا وفادار ہونے نہ ہونے کا انحصار ہے ۔ جو آدمی

خالص توحید کو مانتا ہے وہ خدا کے وفاداروں میں شامل ہے اور خدا کا معاملہ اپنے وفاداروں کے ساتھ وہ نہیں جو بے وفاؤں اور غداروں کے ساتھ ہوتا ہے —— اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ اس سورت کو محبوب رکھنے نے تیرے جنت میں داخل ہونے کا فیصلہ کر دیا۔

۲۲- مُعَوِّذَتَین —— دو بے نظیر سورتیں

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلَمْ تَرَ اٰيٰتٍ اُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: تم نے دیکھا آج رات ایسی آیات اتری ہیں کہ کبھی ان کی نظیر نہیں پائی گئی اور وہ ہیں: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (یعنی سورۃ الفلق) اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (یعنی سورۃ الناس) (مسلم)

یہاں سورہ الفلق اور سورہ الناس کے متعلق حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بے مثال سورتیں ہیں، کبھی ان کی نظیر نہیں پائی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی کتب آسمانی سورۂ اخلاص کی طرح اس مضمون سے بھی خالی ہیں جو ان سورتوں میں اتنے مختصر اور جامع الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ دوسری بات جس کی بنا پر یہ سورتیں اہمیت رکھتی ہیں وہ یہ ہے کہ اگر ان دونوں سورتوں کے مضمون کو اچھی طرح سے سمجھ لیا

جائے تو یہ انسان کو ہر قسم کے اندیشوں اور خرخشوں سے نجات دلا دیتی ہیں اور ایک آدمی حق کے راستے پر پورے اطمینان اور یقین کے ساتھ چل سکتا ہے ——— پہلی سورت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ بات کہہ دو کہ میں پناہ مانگتا ہوں اُس رب کی جو صبح کو نکالنے والا ہے، اُن تمام چیزوں کے شر سے جو اُس نے پیدا کی ہیں، اور ان تمام خطرات سے جو رات کو پیش آتے ہیں اور ان تمام لوگوں کے شر سے جو طرح طرح کے جادو ٹونے اور اس طرح کے دوسرے افعال کرنے والے ہیں ———

دوسری سورت میں یہ فرمایا گیا کہ کہہ دو کہ میں نے پناہ لی اس ہستی کی جو رَبُّ النَّاس ہے، اِلٰہُ النَّاس ہے اور مَلِکُ النَّاس ہے تمام انسانوں اور شیاطین کے شر سے، جو دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔

اگر ایک آدمی اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَق اور اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس کے الفاظ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے اور پھر ان تمام فتنوں اور شرور سے ڈرتا بھی رہتا ہے جن سے اس نے پناہ لی ہے تو زبان سے اس کا یہ الفاظ کا لنا بے معنی ہے۔ اگر وہ اخلاص سے اور سوچ سمجھ کر یہ بات کہتا ہے تو پھر اسے اس بات سے بے فکر ہو جانا چاہیئے کہ کوئی اس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے کیونکہ جب اس نے اُس خدا کی پناہ لے لی ہے۔ جو ساری کائنات کا مالک ہے اور تمام انسانوں کا بھی مالک ہے، اور اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ اب مجھے کسی کے شر سے کوئی خطرہ نہیں ہے تو پھر اس کے بعد ڈرنے کے کوئی معنی باقی نہیں رہتے۔ آدمی پناہ تو اُسی کی لیا کرتا ہے جس کے بارے میں اُسے یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اسے پناہ دینے کی قدرت رکھتا ہے۔

اگر کوئی پناہ دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے پاس پناہ لینے والا کوئی بیوقوف ہی ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی کسی کی پناہ اس دوہرے یقین کی بنا پر لیتا ہے کہ ایک تو وہ اسے پناہ دینے کی قدرت رکھتا ہے اور دوسرے جن کے شر سے وہ بھاگ کر اس کے دامن میں پناہ لے رہا ہے ان سب کی قوت اس کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ جب تک اسے ان دو باتوں کا یقین نہ ہو وہ اس کی پناہ نہیں لے سکتا۔ اور اگر اس یقین کے ساتھ وہ اس کی پناہ لیتا ہے تو پھر کسی چیز کا خطرہ یا خوف محسوس کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اگر ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی ایسی قدرت اور عظمت کا یقین لے کر اس کے راستے میں کام کرنے کے لیے کھڑا ہو تو پھر وہ کسی کو خاطر میں نہیں لائے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہ ہوگی جس کے مقابلے میں اس کو کوئی خطرہ محسوس ہو یا وہ کسی خوف میں مبتلا ہو۔ وہ بالکل بے فکر ہو کر اللہ کے راستے میں کام کرے گا اور دنیا کی تمام طاقتوں کے ساتھ ٹکرا جائے گا۔

قرآن کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلے میں اپنے بھائی کے ساتھ ایک لاٹھی لیے ہوئے پہنچ گئے۔ آخر اتنی بڑی طاقت کے مقابلے میں صرف دو آدمی کیسے ڈٹ گئے ——— ؟ صرف اس لیے کہ انھیں اللہ کی پناہ کا یقین تھا۔ جب اللہ کی پناہ لے لی تو پھر اس کے بعد دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکر لی جا سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے ساری دنیا کے مقابلے میں کیسے کھڑے ہو گئے؟ صرف اس بنا پر کہ آپ کو اللہ پر بھروسہ تھا اور یہ یقین تھا کہ میری پشت پر خدا کی طاقت ہے جو ساری کائنات اور ساری طاقتوں کا مالک ہے۔ اس طرح درحقیقت خدا کی پناہ کا یقین اور بھروسہ وہ چیز ہے

جس کی ضرورت سب سے زیادہ ان لوگوں کو ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے کھڑے ہوں، جو خدا کا کلمہ بلند کرنے کے لیے تمام طاقتوں کے مقابلے میں ٹوٹ جانے کا عزم رکھتے ہوں، بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی ذرائع، کوئی لاؤ لشکر اور کوئی ساز و سامان ہو۔ انسان یہ جرأت اسی صورت میں کر سکتا ہے جب کہ اسے خدا کی پناہ کا یقین کامل ہو ——— اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بے نظیر کلام ہے جو ان دونوں سورتوں میں آیا ہے کیونکہ اس میں ہر طرح کے فتنوں اور باطل قوتوں کے مقابلے میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ لینے کی تعلیم دی گئی ہے اور اسی کے نتیجے میں ایک مومن کے اندر اس کی پناہ کا یقین پیدا ہوتا ہے۔

۲۳- قرآن کے الفاظ میں بھی برکت ہے

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَوٰى إِلٰى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَأَ فِيْهِمَا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَأُ بِهِمَا عَلٰى رَأْسِهٖ وَوَجْهِهٖ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جب آپ رات کو سونے کے لیے اپنے بستر پر لیٹتے تو لیٹنے سے پہلے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں

ملا کر ان میں سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھ کر پھونکتے تھے۔ پھر آپ اپنی ہتھیلیوں کو اپنے پورے جسم پر، جہاں جہاں تک آپ کا ہاتھ پہنچتا تھا پھیرتے تھے۔ پہلے سر پر اور پھر جسم کے اگلے حصے پر —— ایسا آپ تین مرتبہ کیا کرتے تھے۔ (متفق علیہ)

کلام الٰہی اپنے الفاظ میں، اپنی آواز میں، اور اپنے مضمون میں، سبھی طرح برکت رکھتا ہے۔ یہ سراسر برکت ہی برکت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح سے کلام الٰہی کو سمجھتے اور اس کے مطابق عمل فرماتے تھے اور اس کے منشا کے مطابق دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جدّ و جہد فرماتے تھے، اسی طرح سے آپ اس کلام کی باقی تمام برکتوں سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔ مثلاً قرآن پڑھ کر پانی پر پھونکنا اور خود پینا یا کسی کو پلا دینا، یا اس کو ہاتھوں پر پھونکنا اور جسم پر ملنا۔ ان طریقوں سے قرآن کی برکت کا کوئی ظاہری اور باطنی پہلو آپ نہیں چھوڑتے تھے ——

آج بھی اگر کوئی شخص یہ عمل کرے تو صحیح اور پسندیدہ ہے اور باعث برکت ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ اس برکت کا فائدہ حقیقت میں وہی شخص اٹھا سکتا ہے جو قرآن کے ظاہر کے ساتھ اس کے باطن سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ اگر ایک آدمی قرآن کے منشا کے خلاف زندگی گزار رہا ہو اور پھر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر اپنے اوپر پھونک بھی رہا ہو تو سوال یہ ہے کہ وہ آخر کس شر سے خدا کی پناہ مانگ رہا ہے۔ شر تو اس نے اپنے اندر بھر رکھا ہے۔ کیا وہ اس شر سے پناہ مانگ رہا ہے کہ جو رشوت خوری وہ کر کے آیا ہے اس پر پولیس اُسے نہ پکڑ لے۔ اس لیے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن کی یہ برکتیں صرف اُنھی لوگوں کے لیے ہیں جو فی الواقع قرآن کے منشا کے مطابق کام کر رہے

ہوں۔ اس کے بعد قرآن کے الفاظ کی برکت بھی انھیں حاصل ہو گی۔ لیکن جو لوگ قرآن کے الفاظ و مضامین سے رات دن لڑ رہے ہوں اور اپنے قول و فعل سے اس کے معانی کی نفی کر رہے ہوں ان کے لیے یہ برکتیں نہیں ہو سکتیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِی

۴۴۔ قیامت کے روز تین فیصلہ کُن چیزیں۔ قرآن، امانت، قرابتداری

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلٰثَۃٌ تَحْتَ الْعَرْشِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ: اَلْقُرْاٰنُ یُحَاجُّ الْعِبَادَ ــــ لَہٗ ظَھْرٌ وَّ بَطْنٌ ــــ وَالْاَمَانَۃُ وَالرَّحِمُ تُنَادِیْ: اَلَا مَنْ وَّصَلَنِیْ وَصَلَہُ اللّٰہُ وَمَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَہُ اللّٰہُ۔

(شرح السُّنَّۃ للبغوی)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تین چیزیں قیامت کے روز عرش کے نیچے ہوں گی۔ ایک چیز قرآن ہے جو بندوں کے حق میں یا اُن کے خلاف مقدمہ لڑنے والا ہو گا ــــ اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ــــ دوسری چیز امانت ہے اور تیسری چیز رحم یعنی قرابت داری ہے۔ رحم پکار رہا ہو گا کہ جس نے صلۂ رحمی کی اللہ اُس کو جوڑے گا اور جس نے قطع رحمی کی اللہ اس کو کاٹے گا۔ (شرح السّنۃ)

قیامت کے روز قرآن مجید، امانت اور رشتہ داری کے عرش کے نیچے ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ چیزیں وہاں انسانی شکل میں کھڑی ہوں گی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ اہم چیزیں ہیں جو قیامت کے روز انسان کے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لیے سامنے موجود ہوں گی۔ اس چیز کو اس تمثیلی رنگ میں پیش کیا گیا کہ جیسے کسی بڑے بادشاہ کے حضور میں اس کے تین بڑے مقرب کھڑے ہوتے یہ بتا رہے ہوں کہ کون آدمی کیسا ہے اور کس سلوک کا مستحق ہے۔ اس طرح گویا اس بات کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ قیامت کے روز انسانوں کا فیصلہ کرنے میں سب سے پہلے جو چیز سامنے آئے گی وہ قرآن ہے۔ قرآن کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ یُحَاجُّ الْعِبَادَ۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی یہ ہیں کہ قرآن بندوں کے خلاف مقدمہ لڑے گا اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ بندوں کے حق میں مقدمہ لڑے گا۔

یہ وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ اَلْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَيْكَ (قرآن یا تو تیرے حق میں حجت ہے یا تیرے خلاف)۔ قرآن کے آجانے کے بعد اب معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اب یا تو وہ تمہارے حق میں حجت ہے اگر تم نے اس کے مطابق کام کیا ہے، اور یا وہ تمہارے خلاف حجت ہے اگر تم نے اس کے خلاف کام کیا ہے۔ چنانچہ قیامت کے روز یہ قرآن بندے کے حق میں یا اس کے خلاف مقدمہ لڑنے والا ہوگا۔ ایک آدمی جب خدا کے حضور پیش ہوگا تو اسوقت اگر اس بات کا ثبوت ملا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی شکل میں اپنا جو فرمان اس کے پاس بھیجا تھا اس نے اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی ہے تو قرآن بھی اس کے حق میں حجت پیش کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے یہ عرض

کرے گا کہ آپ کا بندہ آپ کے فرامین کے مطابق دنیا میں کام کر کے آیا ہے اس لیے اسے یہ اجر اور جزا عطا کی جائے۔ لیکن اگر وہ شخص قرآن پہنچ جانے کے باوجود اس کے خلاف کام کرتا رہا تھا تو پھر قرآن بھی اس کے خلاف مقدمہ لڑنے والا ہو گا۔

پھر فرمایا کہ اس قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ مطلب یہ ہے کہ ایک چیز تو قرآن کے صاف صاف الفاظ ہیں جو ہر شخص پڑھ سکتا ہے، اور ایک چیز ان الفاظ کے معانی اور ان کا مدعا ہے۔ قیامت کے روز قرآن کے الفاظ بھی حجت ہوں گے اور اس کے معانی بھی۔ قرآن میں اگر صاف الفاظ میں ایک حکم بیان کر دیا گیا ہے کہ فلاں فعل ممنوع ہے اور کسی شخص نے اس ممنوع فعل کا ارتکاب کیا تو اس صورت میں قرآن کے الفاظ اس کے خلاف حجت ہوں گے۔

اسی طرح قرآن مجید کے الفاظ کے اندر وہ مطالب ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن انسان میں کس قسم کے اخلاق کو ابھارنا چاہتا ہے اور کس قسم کے اخلاق کو دبانا چاہتا ہے۔ کون سی چیز اللہ کو پسند ہے اور کون سی ناپسند۔ اس طرح پورا قرآن یہ نقشہ پیش کرتا ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ طرزِ زندگی کیا ہے اور کیا نہیں۔ اب اگر کسی شخص نے اس کے خلاف طرزِ زندگی اختیار کر رکھا ہے تو پورے قرآن کی روح اور اس کے معانی اس شخص کے خلاف ہوں گے۔

● دوسری چیز جو عرش کے نیچے بندوں کے خلاف مقدمے کا فیصلہ کرنے میں قرآن کے بعد اہم ترین ہو گی وہ امانت ہے ——— امانت کے محدود معنی یہاں مراد نہیں ہیں۔ امانت کا عام مفہوم لوگوں کے ذہن

کرے گا کہ آپ کا بندہ آپ کے فرامین کے مطابق دنیا میں کام کر کے آیا ہے اس لیے اسے یہ اجر اور جزا عطا کی جائے۔ لیکن اگر وہ شخص قرآن پہنچ جانے کے باوجود اس کے خلاف کام کرتا رہا تھا تو پھر قرآن ہی اس کے خلاف مقدمہ لڑنے والا ہو گا۔

پھر فرمایا کہ اس قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ مطلب یہ ہے کہ ایک چیز تو قرآن کے صاف صاف الفاظ ہیں جو ہر شخص پڑھ سکتا ہے، اور ایک چیز ان الفاظ کے معانی اور ان کا مدعا ہے۔ قیامت کے روز قرآن کے الفاظ بھی حجت ہوں گے اور اس کے معانی بھی۔ قرآن میں اگر صاف الفاظ میں ایک حکم بیان کر دیا گیا ہے کہ فلاں فعل ممنوع ہے اور کسی شخص نے اس ممنوع فعل کا ارتکاب کیا تو اس صورت میں قرآن کے الفاظ اس کے خلاف حجت ہوں گے۔

اسی طرح قرآن مجید کے الفاظ کے اندر وہ مطالب ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن انسان میں کس قسم کے اخلاق کو ابھارنا چاہتا ہے اور کس قسم کے اخلاق کو دبانا چاہتا ہے۔ کون سی چیز اللہ کو پسند ہے اور کون سی ناپسند۔ اس طرح پورا قرآن یہ نقشہ پیش کرتا ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ طرز زندگی کیا ہے اور کیا نہیں۔ اب اگر کسی شخص نے اس کے خلاف طرز زندگی اختیار کر رکھا ہے تو پورے قرآن کی روح اور اس کے معانی اس شخص کے خلاف ہوں گے۔

● دوسری چیز جو عرش کے نیچے بندوں کے خلاف مقدمے کا فیصلہ کرنے میں قرآن کے بعد اہم ترین ہو گی وہ امانت ہے ——— امانت کے محدود معنی یہاں مراد نہیں ہیں۔ امانت کا عام مفہوم لوگوں کے ذہن

کے حوالے کی ہے وہ اس میں خیانت نہیں کرے گی ـــــ اسی طرح اولاد کا وجود بھی سراسر اعتماد پر مبنی ہے۔ اولاد اپنے والدین پر یہ اعتماد کرتی ہے کہ وہ ہمارے حق میں بھلائی کریں گے اور جان بوجھ کر ہمارے ساتھ کوئی برائی نہیں کریں گے۔ اولاد کی فطرت میں یہ اعتماد پایا جاتا ہے، قطع نظر اس سے کہ الفاظ میں اس کا اظہار ہو یا نہ ہو۔ ایک چھوٹا بچہ جو ابھی پیدا ہوا ہے وہ اپنی فطرت میں ایک اعتماد لے کر پیدا ہوتا ہے کہ گویا اس کے اور اس کے والدین کے درمیان ایک غیر تحریری معاہدہ اس کی پیدائش کے ساتھ ہی وجود میں آجاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنی بیٹی کو کسی کے نکاح میں دیتا ہے وہ اس کی شرافت پر اعتماد کر کے دیتا ہے۔ ایک آدمی اگر کسی کی بیٹی کو بیاہ کر لاتا ہے تو وہ اس کے خاندان کی شرافت پر اعتماد کر کے بیاہ کر لاتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ رشتہ داروں کا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہر ہمسایہ اپنے ہمسائے پر یہ اعتماد کرنے پر مجبور ہے کہ اس کی جان و مال اور عزت و آبرو اس کے ہاتھوں محفوظ ہے۔ اسی طرح آپ اپنی پوری زندگی میں یہ دیکھیں گے کہ تمام انسانی تعلقات اس امانت داری اور اعتماد پر مبنی ہیں کہ اگر ایک آدمی کے ساتھ کوئی معاملہ کیا جا رہا ہے تو وہ معاملہ کرنے والے کے کسی حق میں خیانت نہیں کرے گا ـــــ کسی ملک کا پورا نظام حکومت ایک امانت ہی تو ہے۔ پوری قوم اپنی امانتیں حکومت کے حوالے کر دیتی ہے۔ وہ اپنا مستقبل، اور اپنے تمام ذرائع و وسائل اس کے حوالے کرتی ہے۔ حکومت کے جتنے ملازمین ہیں ان کے سپرد امانتیں ہی تو کی گئی ہیں۔ اسمبلیوں کے ارکان کو پوری قوم اپنی امانت ہی تو سونپتی ہے ـــــ لاکھوں آدمیوں پر مشتمل ملک کی یہ فوج جسے

قوم منظم کر کے خود اپنے ملک میں رکھتی ہے اور حربی اہمیت کے مقامات پر لا کر بٹھاتی ہے، اسے اپنے خرچ سے ہتھیار فراہم کر کے دیتی ہے اور اپنی آمدنیوں کا ایک حصہ کاشتکاروں کی تنخواہوں کا انتظام کرتی ہے۔ یہ اس اعتماد پر ہی تو بنائی اور رکھی جاتی ہے کہ وہ ملک کی حفاظت کا فریضہ انجام دے گی اور جو ذمہ داری اس کے سپرد کی گئی ہے اس میں خیانت نہیں کرے گی ــــــ اب اگر ان ساری امانتوں میں ہر طرف خیانت ہونے لگے تو انسانی تہذیب و تمدن کا خاتمہ ہو جاتے۔ اسی بنا پر یہ امانت وہ عظیم الشان چیز ہے جو قیامت کے روز انسان کے خلاف یا اس کے حق میں مقدمہ لڑنے کے لیے موجود ہو گی۔ جس نے جتنی زیادہ خیانتیں کی ہوں گی وہ وہاں اتنا ہی بڑا مجرم شمار ہو گا اور جس نے ان امانتوں کا جتنا زیادہ حق ادا کیا ہو گا وہ اتنا ہی زیادہ خدا کے انعام کا مستحق ٹھہرے گا۔

● تیسری چیز جو قیامت کے روز غیر معمولی اہمیت کی حامل ہو گی وہ رحم ہے، یعنی رشتہ داری۔ رشتہ داری وہ چیز ہے جس پر انسانی تمدن کی تعمیر ہوئی ہے۔ انسانی تمدن کا آغاز ہی اس طرح ہوا ہے کہ ایک انسان کی اولاد اور پھر اس کے بعد اس کے دوسرے رشتہ دار جب جمع ہوتے ہیں تو ایک خاندان یا قبیلہ بنتا ہے اور جب بہت سے خاندان اور قبیلے جمع ہوتے ہیں تب ایک قوم بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں صلہ رحمی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور قطعِ رحمی کو انسانی تہذیب و تمدن کی جڑ کاٹنے والی چیز قرار دیا گیا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ رحم یعنی خونی رشتہ داری وہ تیسری چیز ہے جس پر قیامت کے روز انسانوں کا فیصلہ ہو گا۔ اس روز رحم پکار کر کہے گا کہ جس نے مجھے جوڑا اللہ اسے جوڑے گا اور جس نے مجھے

کے حوالے کی ہے وہ اس میں خیانت نہیں کرے گی ——— اسی طرح اولاد کا وجود بھی سراسر اعتماد پر مبنی ہے۔ اولاد اپنے والدین پر یہ اعتماد کرتی ہے کہ وہ ہمارے حق میں بھلائی کریں گے اور جان بوجھ کر ہمارے ساتھ کوئی برائی نہیں کریں گے۔ اولاد کی فطرت میں یہ اعتماد پایا جاتا ہے، قطع نظر اس سے کہ الفاظ میں اس کا اظہار ہو یا نہ ہو۔ ایک چھوٹا بچہ جو ابھی پیدا ہوا ہے وہ اپنی فطرت میں ایک اعتماد لے کر پیدا ہوتا ہے کہ گویا اس کے اور اس کے والدین کے درمیان ایک غیر تحریری معاہدہ اس کی پیدائش کے ساتھ ہی وجود میں آجاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنی بیٹی کو کسی کے نکاح میں دیتا ہے وہ اس کی شرافت پر اعتماد کرکے دیتا ہے۔ ایک آدمی اگر کسی کی بیٹی کو بیاہ کر لاتا ہے تو وہ اس کے خاندان کی شرافت پر اعتماد کرکے بیاہ کر لاتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ رشتہ داروں کا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہر ہمسایہ اپنے ہمسائے پر یہ اعتماد کرنے پر مجبور ہے کہ اس کی جان و مال اور عزت و آبرو اس کے ہاتھوں محفوظ ہے۔ اسی طرح آپ اپنی پوری زندگی میں یہ دیکھیں گے کہ تمام انسانی تعلقات اس امانت داری اور اعتماد پر مبنی ہیں کہ اگر ایک آدمی کے ساتھ کوئی معاملہ کیا جا رہا ہے تو وہ معاملہ کرنے والے کے کسی حق میں خیانت نہیں کرے گا ——— کسی ملک کا پورا نظام حکومت ایک امانت ہی تو ہے۔ پوری قوم اپنی امانتیں حکومت کے حوالے کر دیتی ہے۔ وہ اپنا مستقبل، اور اپنے تمام ذرائع و وسائل اس کے حوالے کرتی ہے۔ حکومت کے جتنے ملازمین ہیں ان کے سپرد امانتیں ہی تو کی گئی ہیں۔ اسمبلیوں کے ارکان کو پوری قوم اپنی امانت ہی تو سونپتی ہے ——— لاکھوں آدمیوں پر مشتمل ملک کی یہ فوج جسے

جہاں تک تُو پڑھتا جائے گا۔ (احمدؒ۔ ترمذیؒ۔ ابوداؤدؒ۔ نسائیؒ)

صاحبِ قرآن سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن سے شغف رکھنے کی بنا پر ممتاز ہو۔ جیسے صاحب الحدیث ہم اُسے کہتے ہیں جو حدیث سے زیادہ شغف رکھنے والا ہو۔ گویا کسی خاص چیز کا صاحب وہ شخص ہوتا ہے جو اس چیز کے ساتھ خاص نسبت، تعلق اور شغف رکھتا ہو ۔۔۔۔۔ چنانچہ صاحب قرآن وہ شخص ہے جو دنیا میں قرآن سے زیادہ شغف رکھتا تھا اور قرآن کے پڑھنے، سمجھنے اور غور کرنے میں زیادہ مشغول رہتا تھا۔ قیامت کے روز اس سے یہ کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور بلند درجات کی طرف ترقی کرتا چلا جا۔ تیری منزل وہ ہے جہاں تو جا کر آخر کار ٹھہرے گا۔ یعنی جس مقام پر تو قرآن کی آخری آیت پڑھے گا وہ مقام تیرے لیے ہمیشہ ہمیشہ قیام کرنے کا ہو گا۔ اس لیے فرمایا کہ جیسے ٹھہر ٹھہر کر اور آہستہ آہستہ تو دنیا میں پڑھتا تھا اسی طرح سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ تاکہ تو زیادہ اُونچی منزل پر پہنچ جائے۔

۲۶۔ جس سینے میں قرآن نہیں وہ ایک ویرانہ ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ الَّذِىْ لَيْسَ فِىْ جَوْفِهٖ شَيْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے سینے میں قرآن نہیں ہے اُسکی مثال اُجڑے ہوئے گھر کی سی ہے۔ (ترمذیؒ، دارمیؒ)

اگر کسی کا سینہ قرآن سے خالی ہے تو وہ ایک ایسا ویران گھر ہے جس میں بسنے والا

کوئی نہیں ہے۔ اس سینے میں کوئی چیز ایسی موجود نہیں ہے جس کی بنا پر اسے ایک صاحب ضمیر اور ذی شعور انسان کا سینہ کہا جا سکے۔

۲۷۔ اللہ کا کلام دوسرے کلاموں سے اسی طرح افضل ہے جس طرح خود اللہ تعالیٰ،

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَنْ شَغَلَہُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِکْرِیْ مَسْأَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ، وَفَضْلُ کَلَامِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَالْبَیْہَقِیُّ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن مجید (کے مطالعہ) نے میرا ذکر کرنے اور مجھ سے دعا مانگنے سے روک رکھا ہو میں اُس کو وہ افضل ترین چیز دوں گا جو دعا مانگنے والوں کو دیتا ہوں ــــ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کے کلام کی فضیلت باقی تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر ہے۔ (ترمذیؒ۔ دارمیؒ۔ بیہقیؒ)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھنے میں اس طرح مشغول رہا کہ اُسے اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے دوسرے اذکار و اوراد (مثلاً سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وغیرہ) پڑھنے کی فرصت نہیں ملی، یہاں تک کہ دعا مانگنے کا بھی وقت نہیں ملا تو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ جو بڑی سے بڑی چیز وہ دعا مانگنے

کاٹتا اللہ اسے کاٹے گا۔ جب ایک آدمی اپنے رشتہ داروں کے مقابلے میں بے رحم ہو اور ان کے ساتھ سرد مہری برتنے والا ہو تو پھر وہ دنیا میں کسی کا دوست نہیں بن سکتا۔ اس کے بعد اگر وہ کسی کا دوست بنتا ہے تو محض اغراض اور مفاد کے لیے دوست بنتا ہے۔ اس کا مفاد جہاں تک اس کا ساتھ دیتا ہے وہاں تک وہ دوست ہوتا ہے اور جہاں اس کے مفاد پر زد پڑتی ہے وہیں وہ اپنے دوست کے ساتھ غداری کرتا ہے۔ یہ عین فطری بات ہے کہ جو اپنے بھائی کا نہ ہوا وہ کسی اور کا کیا ہوگا۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں صلہ رحمی کو اس قدر زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اس چیز کا ذکر یہاں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

۲۵۔ صاحب قرآن کا درجہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ کَمَا کُنْتَ تُرَتِّلُ فِی الدُّنْیَا فَاِنَّ مَنْزِلَکَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰیَۃٍ تَقْرَؤُھَا۔

(رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دنیا میں قرآن سے شغف رکھتا تھا (قیامت کے روز) اس سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور بلندی کی طرف چڑھتا جا اور اسی رفتار سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا۔ تیری منزل وہ آخری آیت ہوگی

تو یہ مخلوق کے کلام سے اتنا ہی افضل ہے جتنا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے افضل ہے۔
اُوپر کے قول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا اضافہ اس لیے فرمایا کہ قرآن کے ماسوا مختلف اذکار و اوراد کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا جو بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کا واسطہ انسانی کلام ہے خدا کا کلام نہیں ہے۔ اور انسانی کلام خواہ کتنا ہی افضل اور اعلیٰ ہو وہ اللہ کے کلام کے مقابلے میں تو فروتر ہی ہو گا۔ اللہ کے کلام کو اس پر وہی برتری حاصل ہے جو اس کو اپنی مخلوق پر ہے اس لیے جتنا وقت بھی تم نے اللہ کے کلام کو پڑھنے میں صرف کیا وہ بڑے قیمتی کام میں صرف ہوا۔ کوئی وظیفہ پڑھتے یا دعا مانگتے تو اپنا وقت کمتر درجے کے کام میں صرف کرتے۔ اس طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح فرما دیا کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے یا دعا مانگنے کے بجائے اپنا وقت قرآن ہی پڑھنے میں صرف کر رہا ہو تو اسے وہ سب کچھ کیوں ملتا ہے جو دعا مانگنے والوں کو ملتا ہے۔

۲/۔ قرآن کے ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ہیں

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ فَلَہٗ بِہٖ حَسَنَۃٌ وَالْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا، لَا اَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ۔ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِیْمٌ حَرْفٌ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھتا ہے اس کے بدلے میں اس کی ایک نیکی شمار ہوتی ہے۔ اور

(قرآن میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ) ہر نیکی کے بدلے میں دس گنا اجر ہے ــــــ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے۔ نہیں، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (ترمذیؒ۔ دارمیؒ)

۲۹- قرآن ہر زمانے کے فتنوں سے بچانے والا ہے

عَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ قَالَ مَرَرْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ يَخُوْضُوْنَ فِي الْاَحَادِيْثِ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَلِيٍّ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَوَ فَعَلُوْهَا قُلْتُ نَعَمْ۔ قَالَ اَمَا اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَلَا اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ، قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ كِتَابُ اللّٰهِ، فِيْهِ نَبَاُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ، هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ. مَنْ تَرَكَهٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِيْ غَيْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ، وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ، هُوَ الَّذِيْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا يَنْقَضِيْ عَجَائِبُهٗ هُوَ الَّذِيْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا

عَجَبًا يَهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ، مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت حارثؓ اعور بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں (کوفے کی) مسجد میں لوگوں کے پاس سے گزرا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ لایعنی باتوں میں مشغول ہیں۔ میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے انھیں اس چیز کی خبر دی (کہ لوگ اس طرح مسجد میں بیٹھے ہوئے فضول باتیں کر رہے ہیں)۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: کیا لوگ واقعی ایسا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا ہاں! اس پر انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سُنا ہے "خبردار رہو! عنقریب ایک فتنہ برپا ہونے والا ہے"۔ میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ اس سے بچنے کی صورت کیا ہو گی؟" ——— حضورؐ نے ارشاد فرمایا: کتاب اللہ ——— اس میں اس چیز کی خبر بھی ہے کہ تم سے پہلے کی قوموں پر کیا گزری، اور اس بات کی خبر بھی ہے کہ تمھارے بعد میں آنے والوں پر کیا گزرے گی، اور اس چیز کا ذکر بھی ہے کہ تمھارے معاملات کے درمیان فیصلہ کرنے کی صورت کیا ہے ——— یہ قرآن ایک سنجیدہ اور فیصلہ کن کلام ہے، کوئی مذاق کی چیز نہیں ہے ——— جو کوئی ظالم و جبار شخص اس قرآن کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو کچل کر رکھ دے گا اور جس نے اسے چھوڑ کر کسی اور جگہ سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اللہ اسے گمراہ کر دے گا ——— اور یہ قرآن

اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور یہ حکیمانہ نصیحت ہے، اور یہی سیدھا راستہ ہے ـــــــ یہ قرآن وہ چیز ہے کہ تخیلات اسے غلط راستے پر نہیں لے جاسکتے اور زبانیں اس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں کرسکتیں ـــ اور علماء کبھی اس سے سیر نہیں ہوسکتے ـــــ اور خواہ اس کو کتنا ہی پڑھو یہ پُرانا نہیں ہوتا۔ اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے ـــــــ یہ قرآن ایسی چیز ہے کہ جب جنّوں نے اس کو سُنا تو وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ـــ "ہم نے ایک بڑا ہی عجیب قرآن سُنا ہے جو راہِ راست کی طرف راہنمائی کرتا ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں" ـــ جو شخص قرآن کے مطابق بات کرے گا وہ سچی بات کرے گا اور جو اس کے مطابق عمل کرے گا یقیناً اجر پائے گا اور جو اس کے مطابق فیصلہ کرے گا ضرور عدل کا فیصلہ کرے گا، اور جو لوگوں کو اس کی پیروی کی دعوت دے گا وہ سیدھے راستے کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرے گا"

(ترمذیؒ: دارمیؒ)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی اوّلین خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس میں گزشتہ قوموں کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ جن قوموں نے بدعملی کی روش اختیار کی ان کی اس روش کا کیا نتیجہ برآمد ہوا اور جن قوموں نے سیدھی راہ اختیار کی ان کا کیا انجام ہوا۔ اسی طرح یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آئندہ غلط راستے پر چلنے والوں کا کیا انجام ہونا ہے اور صحیح راستے پر چلنے والوں کے لیے کیا بھلائی مقدر ہے۔ مزید برآں اس میں یہ بات بھی سمجھا دی گئی ہے کہ اگر کبھی تمہارے درمیان اختلافات رونما ہوں تو ان کا فیصلہ کس طرح کیا جانا چاہیئے۔

- ھُوَ الْفَصْل کے معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید دو ٹوک اور فیصلہ کن بات کہتا ہے اور پوری سنجیدگی کے ساتھ کہتا ہے۔ اس میں کوئی ایک بات بھی بطور مذاق نہیں کہہ دی گئی ہے کہ اس کے ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق واقع نہ ہوتا ہو۔

پھر فرمایا کہ جو شخص قرآن کو چھوڑ کر کسی اور جگہ سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اللہ اسے گمراہ کر دے گا۔ مراد یہ ہے کہ اس کتاب کے سوا اب اور کسی جگہ سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ اگر کسی دوسرے ذریعے کی طرف رجوع کرو گے تو سوائے گمراہی کے اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔

- فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کی رسّی ہے، یعنی یہ بندوں اور خدا کے درمیان تعلق کا واحد ذریعہ ہے۔ اگر کسی نے اس کو تھاما تو خدا سے اس کا تعلق قائم ہو گیا اور اگر اس کو چھوڑ دیا تو خدا سے اس نے اپنا تعلق کاٹ لیا۔

- قرآن کے حکیمانہ نصیحت ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ ایک ایسی نصیحت ہے جو سراسر حکمت اور دانائی پر مبنی ہے۔

- فرمایا گیا کہ قرآن وہ چیز ہے جسے تخیلات غلط راستے پر نہیں لے جا سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کو اپنا رہنما بنا لے، اس سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور زندگی میں پیش آنے والے مسائل و معاملات میں اسی کی طرف رجوع کرے تو پھر اسے نہ اس کے اپنے تخیلات بھٹکا سکتے ہیں اور نہ دوسروں کے خیالات گمراہ کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر ایک آدمی پہلے سے بعض تخیلات کو اپنے ذہن میں راسخ کر چکا ہو، اور یہی نہیں بلکہ قرآن کو بھی ان کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہو تو اس صورت میں اس کے لیے ان تخیلات سے بچاؤ کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ ہاں اگر ایک شخص خلوص دل کے ساتھ قرآن ہی سے رہنمائی حاصل کرنا چاہتا

ہے اور یہ فیصلہ کر کے بیٹھتا ہے کہ جو کچھ یہاں ملے گا وہ اسے مانے گا اور جو کچھ یہاں نہیں ملے گا وہ اسے نہیں مانے گا تو ایسے شخص کو نہ اپنے تخیلات بھٹکا سکیں گے اور نہ دوسروں کے افکار گمراہ کر سکیں گے۔

● پھر ارشاد ہوا کہ زبانیں اس قرآن میں کسی طرح کی آمیزش نہیں کر سکتیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا محفوظ کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے اندر کسی انسانی کلام کی آمیزش کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکے گا ———— یہ واقعہ ایک صریح معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات ارشاد فرمائی تھی تو اس وقت یہ کلام ابھی پیش ہی کیا گیا تھا لیکن آج تقریباً چودہ سو برس گزر چکے ہیں اور کوئی شخص آج تک اس کے اندر کسی طرح کا ردوبدل نہیں کر سکا۔ اُس وقت تو خدا اور اس کے رسولؐ کے سوا اس بات کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا کہ قرآن میں کسی طرح کی آمیزش نہیں ہو سکے گی، اور یہ بات بہرحال پیشگی علم کی بنا پر کہی گئی تھی، لیکن آج یہ بات صدیوں کے تجربے سے ثابت ہو چکی ہے کہ جو کچھ کہا گیا تھا وہ فی الواقع حق تھا ——— اسی چیز کا نام معجزہ ہے۔

● فرمایا کہ علماء کبھی اس سے سیر نہیں ہو سکتے۔ یعنی ایک عالم قرآن کو پڑھنے سمجھنے اور اس پر غور و فکر کرنے میں اپنی عمر گزار دے گا لیکن کبھی اس سے سیر نہیں ہو سکے گا۔ اس پر کوئی وقت ایسا نہیں آئے گا جب وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ قرآن سے اسے جو کچھ سمجھنا تھا وہ سب کچھ اس نے سمجھ لیا اور اب اسے مزید کسی علم کی ضرورت نہیں ہے ———— یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آج تک کبھی کسی عالم کی زبان پر یہ بات نہیں آئی ہے کہ اب میں قرآن سے سیر ہو چکا ہوں، اب اس میں مزید کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو مجھے حاصل کرنی ہو۔

- پھر فرمایا کہ قرآن کو خواہ کتنا ہی پڑھو یہ پرانا نہیں ہوتا۔

آپ کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبے کی کتاب کو بھی زیادہ سے زیادہ دو چار یا حد سے حد دس بیس مرتبہ پڑھیں گے بالآخر اکتا جائیں گے لیکن قرآن وہ کتاب ہے جو عمر بھر اور بار بار پڑھی جانے کے باوجود طبیعت اس سے نہیں بھرتی۔ خصوصاً سورۂ فاتحہ تو دن میں لگ بھگ پچاس مرتبہ پڑھی جاتی ہے لیکن معاذ اللہ کبھی کسی کے دل میں یہ بیزاری پیدا نہیں ہوتی کہ کب تک وہ ایک ہی چیز کو دہراتا رہے۔ لاریب یہ اس کلام کا ایک معجزہ ہے اور اس کی غیر معمولی خوبی کا ایک نشان۔

- ارشاد ہوا کہ قرآن کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے ——— واقعہ یہ ہے کہ آدمی کی عمر قرآن مجید کو پڑھتے، اس پر غور کرتے اور تحقیق کرتے گزر جاتی ہے لیکن اس کے عجائب ختم ہونے میں نہیں آتے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی چالیس چالیس اور پچاس پچاس برس کے مطالعے کے بعد کسی وقت قرآن کو کھول کر پڑھتا ہے تو کوئی آیت ایسی سامنے آتی ہے جسے پڑھ کر وہ محسوس کرتا ہے کہ گویا آج پہلی مرتبہ پڑھی ہے۔ کوئی ایسا مضمون اس سے نکلتا ہے جو عمر بھر کے مطالعے میں کبھی نہیں نکلتا۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔

- قرآن مجید کو سن کر جنوں کے ایمان لانے کا واقعہ سورۂ جنّ اور احقاف میں بیان ہوا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایسا مؤثر کلام ہے کہ انسان تو انسان جنّ بھی اگر اس کلام کو ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی سے الگ ہو کر کھلے دل سے سنیں تو وہ بھی اس بات کی شہادت دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ قرآن راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور صرف اسی پر ایمان لا کر راہِ ہدایت مل سکتی ہے۔

قرآنِ مجید کی ان تمام صفات کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ آئندہ زمانے میں جو فتنہ آنے والا ہے اس سے بچانے والی چیز سوائے قرآن کے اور کوئی نہیں ہو گی اور اس بات کی وضاحت فرما دی کہ قرآن کی کیا خصوصیات اور کیا کمالات ہیں جن کی بنا پر یہ قیامت تک انسان کو ہر فتنے سے بچاتا رہے گا۔

۳۰۔ حاملِ قرآن کے والدین کو ایک روشن تاج پہنایا جائے گا

عَنْ مُعَاذِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت معاذ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے قیامت کے روز اس کے والدین کو ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی ایسی ہو گی کہ اگر سورج بھی تمہارے گھروں میں اتر آتے تو وہ اس کی روشنی سے عمدہ ہو گی ———— پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ جو شخص خود قرآن کے مطابق عمل کرنے والا ہے اس کی شان کیا ہو گی۔

(احمد، ابوداؤد)

یہاں ان والدین کا ذکر نہیں ہے جو اپنی اولاد کو قرآن پڑھنے سے روکتے ہیں

اور قرآن پڑھنے والے بچے سے یہ کہتے ہیں کہ یہ تو ملا بن گیا ہے اب یہ ہمارے کس کام کا۔ یہ کیا دنیا کمائے گا، یہ تو قرآن پڑھنے میں لگ گیا ہے ـــــــ اس کے برعکس یہاں ان والدین کا ذکر ہے جنھوں نے اپنے بچے کو قرآن پڑھایا اور اسے ایسی تربیت دی کہ وہ ان کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی قرآن پڑھتا رہا، اور اس نے اپنی عملی زندگی کی تعمیر بھی اس کے مطابق کی۔ اس کے قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا نہ صرف یہ کہ خود اس کو اجر ملے گا بلکہ اس کے والدین بھی اجر پائیں گے۔ وہ اجر یہ ہوگا کہ قیامت کے روز انھیں بزرگی اور افتخار کا روشن تاج پہنایا جائے گا ـــــــ اس چیز سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص خود قرآن کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی کیا کچھ مہربانیاں ہوں گی اور وہ کیا کچھ اجر پائے گا۔

۳۱۔ قرآن کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ بہت جلد فراموش ہو جاتا ہے

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: تَعَاھَدُوا الْقُرْاٰنَ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَھُوَ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِّنَ الْاِبِلِ فِیْ عُقُلِھَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قرآن مجید کو ذہن میں محفوظ رکھنے اور یاد رکھنے کا اہتمام کرو کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ ذہن سے نکلنے کے لیے اسی طرح، بلکہ اس سے بھی زیادہ جلدی کرتا ہے، جس طرح بندھے ہوئے اونٹ رسی تڑا کر بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (متفق علیہ)

مراد یہ ہے کہ اگر آدمی قرآن مجید کو یاد کرنے کے بعد اسے یاد رکھنے کی فکر نہ کرے تو یہ آدمی کے ذہن سے اس طرح فرار کرتا ہے جس طرح اونٹ رسّی تڑا کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے ــــــــــ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا نفس قرآن مجید کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ انسان اسے پوری ارادی قوت کے ساتھ قرآن کو قبول کرنے اور ذہن نشین کرنے پر مجبور نہ کرے۔ اگر یہ اہتمام نہ کیا جائے تو وہ قرآن مجید کو اگل دینے اور اس سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اس کے اندر یہ کمزوری موجود ہے کہ وہ قرآن کی عاید کردہ پابندیوں سے نکلنا چاہتا ہے۔ وہ ان حدود سے تجاوز کرنا چاہتا ہے جو قرآن اس کے لیے مقرر کرتا ہے اسی وجہ سے ایک بندہ نفس جو اپنے نفس پر جبر کرکے اُسے خدا کی اطاعت پر آمادہ کرنے والا نہیں ہوتا وہ بعض اوقات قرآن کو سنتے ہوئے گھبراتا ہے کہ نہ معلوم کون سی آیت ایسی آجائے جو اس پر حجت تمام کرکے اُسے مجبور کردے کہ وہ اپنے غلط اور ناجائز کاموں سے باز آجائے۔ اسی لیے فرمایا کہ قرآن کو یاد کرنے کے بعد اُسے ذہن میں محفوظ رکھنے کی کوشش کرو تاکہ یہ تمہاری غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے فراموش نہ ہو جائے۔

۴۲۔ قرآن کو یاد کرکے بھلا دینا بہت بری بات ہے

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِئْسَ مَا لِاَحَدِهِمْ اَنْ يَّقُوْلَ نَسِيْتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ نُسِّيَ وَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ اَشَدُّ تَفَصِّيًا مِّنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ: بِعُقُلِهَا)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : ایک آدمی کے لیے بہت بُری بات ہے کہ وہ یہ کہے : "میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں" ـــــ اصل بات یہ ہے کہ وہ (اسے اس کی غفلت کی بنا پر) بھلا دیا جاتا ہے ـــــ قرآن کو یاد رکھنے کی کوشش کرو کیونکہ وہ لوگوں کے سینوں سے اونٹوں سے بھی بڑھ کر نکل بھاگنے کی کوشش کرتا ہے (اُن اونٹوں سے جو رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں)۔ (متفق علیہ)

یہاں بھی وہی چیز دوسرے پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ فرمایا گیا کہ کسی شخص کے لیے قرآن مجید کو یاد کرنے کے بعد بھلا دینا بہت بری بات ہے۔ اس کا بھول جانا دراصل اس بات کی علامت ہے کہ اُس نے قرآن کی پروا نہیں کی اور اسے یاد کرنے کے بعد اس کی طرف توجہ نہیں دی ـــــ اب چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرف سے بے نیازی برتتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ بھی اسے بھلا دیتا ہے۔ وہ اپنا کلام ایسے آدمی کے پاس رکھنا پسند نہیں کرتا جو اس کا قدر شناس نہ ہو ـــــ اس لیے فرمایا کہ قرآن کو یاد رکھنے کی کوشش کرو اور یاد کرنے کے بعد اسے بھلا نہ دو۔

۲۲۔ قرآن یاد کرنے والے کی مثال

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْاٰنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْاِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ اِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا اَمْسَكَهَا وَ اِنْ اَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قرآن یاد کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے پاس بندھے ہوئے اونٹ ہوں۔ اگر وہ ان کی حفاظت کی فکر کرے گا تو وہ اس کے پاس رہیں گے اور اگر وہ انھیں آزاد کر دے گا تو وہ بھاگ کھڑے ہوں گے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے تین مختلف روایتوں میں ایک ہی جیسا مضمون الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر یہ بات لوگوں کو ذہن نشین کرائی ہے کہ جتنا قرآن یاد کر وا تے یاد رکھنے کی کوشش بھی کرو۔ اگر اسے بار بار تکرار کے ذریعے سے ذہن میں محفوظ رکھنے کی کوشش نہیں کرو گے تو یہ تمھارے ذہن سے نکل جائے گا۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ قرآن کے حفاظ ہمیشہ قرآن دہراتے رہتے ہیں۔ اگر انھیں رمضان میں قرآن سنانا ہو تو اس کے لیے انھیں کافی پہلے سے تیاری کرنی پڑتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر آدمی قرآن یاد کرنے کے بعد اسے محفوظ رکھنے کا اہتمام نہ کرے تو یہ بہت جلد فراموش ہو جاتا ہے۔

۴۳۔ قرآن کو دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ پڑھو

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوْبُکُمْ، فَاِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْہُ۔ (متفق علیہ)

پھر فرمایا کہ قرآن کو خواہ کتنا ہی پڑھو، یہ پرانا نہیں ہوتا۔

آپ کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبے کی کتاب کو بھی زیادہ سے زیادہ دو چار یا حد سے حد دس بیس مرتبہ پڑھیں گے بالآخر اکتا جائیں گے لیکن قرآن وہ کتاب ہے کہ عمر بھر اور بار بار پڑھی جانے کے باوجود طبیعت اس سے نہیں بھرتی۔ خصوصاً سورۂ فاتحہ نو دن میں لگ بھگ پچاس مرتبہ پڑھی جاتی ہے لیکن معاذ اللہ کبھی کسی کے دل میں یہ بیزاری پیدا نہیں ہوتی کہ کب تک وہ ایک ہی چیز کو دہراتا رہے۔ لاریب یہ اس کلام کا ایک معجزہ ہے اور اس کی غیر معمولی خوبی کا ایک نشان۔

ارشاد ہوا کہ قرآن کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے ______ واقعہ یہ ہے کہ آدمی کی عمر قرآن مجید کو پڑھتے، اس پر غور کرتے اور تحقیق کرتے گزر جاتی ہے لیکن اس کے عجائب ختم ہونے میں نہیں آتے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی چالیس چالیس اور پچاس پچاس برس کے مطالعے کے بعد کسی وقت قرآن کو کھول کر پڑھتا ہے تو کوئی آیت ایسی سامنے آتی ہے جسے پڑھ کر وہ محسوس کرتا ہے کہ گویا آج پہلی مرتبہ پڑھی ہے۔ کوئی ایسا مضمون اس سے نکلتا ہے جو عمر بھر کے مطالعے میں بھی نہیں نکلتا۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔

قرآن مجید کو سن کر جنوں کے ایمان لانے کا واقعہ سورۂ جن اور احقاف میں بیان ہوا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایسا مؤثر کلام ہے کہ انسان تو انسان جن بھی اگر اس کلام کو ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی سے الگ ہو کر کھلے دل سے سنیں تو وہ بھی اس بات کی شہادت دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ قرآن راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور صرف اسی پر ایمان لا کر راہِ ہدایت مل سکتی ہے۔

قرآنِ مجید کی ان تمام صفات کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ آئندہ زمانے میں جو فتنہ آنے والا ہے اس سے بچانے والی چیز سوائے قرآن کے اور کوئی نہیں ہو گی اور اس بات کی وضاحت فرما دی کہ قرآن کی کیا خصوصیات اور کیا کمالات ہیں جن کی بنا پر یہ قیامت تک انسان کو ہر فتنے سے بچاتا رہے گا۔

۳۰۔ حاملِ قرآن کے والدین کو ایک روشن تاج پہنایا جائے گا

عَنْ مُعَاذِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت معاذ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے قیامت کے روز اس کے والدین کو ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی ایسی ہو گی کہ اگر سورج بھی تمہارے گھروں میں اتر آتے تو وہ اس کی روشنی سے عمدہ ہو گی ــــــــــــ پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ جو شخص خود قرآن کے مطابق عمل کرنے والا ہے اس کی شان کیا ہو گی۔

(احمد، ابوداؤد)

یہاں ان والدین کا ذکر نہیں ہے جو اپنی اولاد کو قرآن پڑھنے سے روکتے ہیں

۳۷۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ مَا اَذِنَ لِنَبِیٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْاٰنِ یَجْهَرُ بِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنی توجہ سے کہ ایک خوش آواز نبی کے قرآن پڑھنے کو سنتا ہے جبکہ وہ باآواز بلند پڑھ رہا ہو۔ (متفق علیہ)

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کے الفاظ اگرچہ کسی قدر مختلف ہیں لیکن ان دونوں کا مضمون اور مفہوم ایک ہی ہے مراد یہ ہے کہ نبی کا خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا ایسی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے بڑھ کر کوئی چیز مرغوب اور محبوب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جس محبت اور توجہ سے نبی کے قرآن پڑھنے کو سنتا ہے اس محبت اور توجہ سے کسی اور چیز کو نہیں سنتا۔

۳۸۔ جو قرآن کو لے کر مستغنی نہ ہو جائے وہ ہم میں سے نہیں

عَنْ اَبُوْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن کو خوش آوازی سے نہ پڑھے یا جو قرآن کو لے کر مستغنی نہ ہو جائے۔ (بخاری)

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ خوش آوازی سے مراد کیا ہے:

قرآن خوش آوازی سے پڑھنا اور چیز ہے اور گا کر پڑھنا اور چیز۔ خوش آوازی سے پڑھنا یہ ہے کہ آدمی اسے اچھے طریقے سے اور اچھی آواز کے ساتھ پڑھے تاکہ سننے والا اس کی طرف متوجہ بھی ہو اور اس سے متاثر بھی۔ پھر خوش آوازی میں صرف آواز کی خوبی ہی شامل نہیں بلکہ یہ بات بھی شامل ہے کہ آدمی ایسے طریقے سے پڑھے جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ ایک ایک آیت کا اثر قبول کرتے ہوئے پڑھ رہا ہے ــــ قرآن پڑھنے کا انداز یہ ہونا چاہیئے کہ آدمی جس مضمون کی آیت پڑھ رہا ہو اُس کی کیفیت بھی اس پر طاری ہو۔ مثلاً اگر کوئی عذاب کی آیت ہے تو اس میں اس کا لب و لہجہ ایسا ہو کہ جیسے اس پر خوف کی سی کیفیت طاری ہے۔ اگر وہ کوئی ثواب کی یا آخرت کی نعمتوں کی آیت پڑھ رہا ہو تو وہ اسے اس طرح سے پڑھے کہ جیسے اس پر ایک انبساط اور مسرت کی کیفیت طاری ہے۔ اسی طرح اگر کسی آیت میں استفہام ہے تو وہ اسے استفہام کے انداز میں ادا کرے ــــ اس طرح قرآن مجید کو خود سمجھ کر اور اس سے متاثر ہوتے ہوئے ایسے انداز سے پڑھنا چاہیئے جس سے سننے والا خوش آوازی سے متاثر ہونے کے علاوہ اس سے اس طرح اثر قبول کرے جس طرح کسی اچھے مقرر کی تقریر کا اثر قبول کرتا ہے ــــ اگر یہ بات نہ ہو اور قرآن کو محض گانے کی سی سُر تال کے ساتھ پڑھا جائے تو وہ تغنّی بالقرآن نہیں ہے ــــ اسے جدید دور کی اصطلاح میں ثقافت کا نام تو دیا جائے گا مگر وہ خوش آوازی کے ساتھ قرآن کی تلاوت نہیں ہو گی۔

تغنّی بالقرآن کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کو لے کر آدمی دُنیا کی ہر چیز سے مستغنی ہو جائے۔ اس کے بعد اسے چاہیئے وہ اس خدا پر بھروسہ کرے جس کا وہ کلام ہے۔ پھر کسی کے آگے نہ تو اس کا ہاتھ پھیلے نہ اس کی گردن جھکے پھر نہ وہ کسی سے

ڈرے اور کسی سے کوئی طمع رکھے۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو اس نے قرآن کو بھیک کا ٹکڑا تو بنا لیا لیکن اسے لے کر وہ دنیا سے مستغنی نہیں ہوا۔

۳۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن۔ اور فریضۂ شہادتِ حق

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: اِقْرَأْ عَلَيَّ، قُلْتُ اَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ اُنْزِلَ؟ قَالَ اِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهٗ مِنْ غَيْرِيْ فَقَرَأْتُ سُوْرَةَ النِّسَاءِ حَتّٰى اَتَيْتُ اِلٰى هٰذِهِ الْاٰيَةِ: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا، قَالَ حَسْبُكَ الْاٰنَ، فَالْتَفَتُّ اِلَيْهِ فَاِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جب کہ وہ منبر پر تشریف فرما تھے، مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: مجھے پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا کیا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں درآنحالیکہ آپ ہی پر تو قرآن اترا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: ہاں میں چاہتا کہ قرآن کسی دوسرے شخص سے سنوں۔ پھر میں نے سورۂ نساء کی تلاوت کی یہاں تک کہ میں اس آیت پر پہنچا ——
"کیا بنے گی ان لوگوں پر اس وقت جبکہ ہم ہر اُمت پر ایک گواہ لائیں گے اور اے نبیؐ، ہم آپ کو اس اُمت پر گواہ بنا کر کھڑا کریں گے" ——
جب میں اس مقام پر پہنچا تو حضورؐ نے فرمایا: بس کافی ہے اچانک

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک آدمی کے لیے بہت بُری بات ہے کہ وہ یہ کہے: "میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں" —— اصل بات یہ ہے کہ وہ (اسے اس کی غفلت کی بنا پر) بھلا دیا جاتا ہے ——

قرآن کو یاد رکھنے کی کوشش کرو کیونکہ وہ لوگوں کے سینوں سے اونٹوں سے بھی بڑھ کر نکل بھاگنے کی کوشش کرتا ہے (اُن اونٹوں سے جو رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں)۔ (متفق علیہ)

یہاں بھی وہی چیز دوسرے پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ فرمایا گیا کہ کسی شخص کے لیے قرآن مجید کو یاد کرنے کے بعد بھلا دینا بہت بُری بات ہے۔ اس کا بھول جانا دراصل اس بات کی علامت ہے کہ اُس نے قرآن کی پروا نہیں کی اور اسے یاد کرنے کے بعد اس کی طرف توجہ نہیں دی —— اب چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرف سے بے نیازی برتتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ بھی اسے بھلا دیتا ہے۔ وہ اپنا کلام ایسے آدمی کے پاس رکھنا پسند نہیں کرتا جو اس کا قدر شناس نہ ہو —— اس لیے فرمایا کہ قرآن کو یاد رکھنے کی کوشش کرو اور یاد کرنے کے بعد اسے بھلا نہ دو۔

۴۳۔ قرآن یاد کرنے والے کی مثال

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْاٰنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْاِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ اِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا اَمْسَكَهَا وَاِنْ اَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آپؐ نے یہ آیت سُنی تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے ۔ اس خیال نے آپؐ کو بے تاب کر دیا کہ مجھے کتنی بڑی ذمہ داری کے مقام پر کھڑا کیا گیا ہے ۔ آج سے لے کر قیامت تک جتنے انسان بھی ہوں گے ان سب پر خدا کی حجت میرے ذریعہ سے تمام ہو گی ۔ اگر مجھ سے اس حجّت کو پورا کرنے میں ذرہ برابر بھی کمی رہ گئی تو مجھے اس کی جواب دہی کرنا پڑے گی ۔

غور کیجیے ——— کیا اس سے بڑا کوئی منصب اس دنیا میں ممکن ہے اور کیا ایک انسان کی اس سے بڑی کوئی ذمہ داری ہو سکتی ہے کہ اس کے زمانے سے لے کر قیامت تک کے تمام انسانوں پر خدا کی حجت پوری ہونے کی ذمہ داری تنہا اس کی ذات پر ہو ۔ عملاً یہ منصب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور اسی کٹھن ذمہ داری کے احساس سے حضورؐ کی کمر دوہری ہوئی جاتی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تسلی دلانے کے لیے یہ الفاظ فرمائے :

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (الم نشرح : ۲،۳)

(اور ہم نے آپؐ سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا جو آپؐ کی کمر توڑے ڈال رہا تھا)

ایک طرف تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اس عظیم اور کٹھن ذمہ داری کا شدید احساس تھا اور دوسری طرف آپ ہر وقت اس غم میں گھلے جاتے تھے کہ جن لوگوں کو میں ہدایت کی طرف بلا رہا ہوں وہ اس سے مسلسل روگردانی کر کے خود کو ایک خوفناک انجام کی طرف دھکیل رہے ہیں ۔ قرآن میں آپ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے :

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء : ۳)

(شاید آپؐ اس غم میں اپنی جان کھو دیں گے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے)

یہی وجہ ہے کہ جب آپؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے وہ آیت سُنی تو

آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور آپ نے فرمایا کہ بس یہیں رک جاؤ اب آگے کا تحمّل نہیں ہے۔

۲۰ - علم قرآن کی برکت سے حضرت اُبَیؓ بن کعب کا اعزاز

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ: اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ، قَالَ آللّٰهُ سَمَّانِيْ لَكَ؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ؟ قَالَ نَعَمْ فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ. وَفِيْ رِوَايَةٍ: اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَيْكَ: لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، قَالَ وَسَمَّانِيْ؟ قَالَ نَعَمْ، فَبَكٰى. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں قرآن مجید سناؤں۔ حضرت اُبیؓ بن کعبؓ نے عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر آپ سے یہ بات فرمائی ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: ہاں۔ انھوں نے دوبارہ عرض کیا: کیا سچ مچ میرا ذکر اللہ رب العالمین کے حضور میں ہوا؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ اس پر حضرت اُبیؓ بن کعبؓ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے ـــــ ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ آئے ہیں: اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا . . . . . .[1] پڑھ کر سناؤں۔ حضرت اُبیؓ

[1] سورۃ البیّنۃ۔

حضرت جُندُب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن اُس وقت تک پڑھو جب تک کہ تمہارا دل اس میں لگا رہے۔ جب دل نہ لگ رہا ہو تو پڑھنا چھوڑ دو۔ (متفق علیہ)

مراد یہ ہے کہ آدمی ایسی حالت میں قرآن نہ پڑھے جب کہ اس کا ذہن قرآن کی طرف پوری طرح متوجہ نہ ہو۔ آدمی جتنا کچھ دلچسپی اور توجہ کے ساتھ پڑھ سکتا ہو اتنا کچھ پڑھے۔ اصل چیز منزل پوری کرنا نہیں ہے بلکہ قرآن کو پوری توجہ سے اور اس کے معنی سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے پڑھنا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ اگر آپ نے ایک پارہ پڑھنے کا ارادہ کیا ہے تو آپ اس حالت میں بھی بیٹھے ہوتے اسے پڑھتے رہیں جبکہ آپ کا ذہن اس کی طرف یکسو نہ ہو رہا ہو۔ اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ آپ ایک ہی رکوع پڑھیں لیکن اچھی طرح سے دل لگا کر پڑھیں۔ اگر آدمی یہ نہ کر سکے تو محض منزل پوری کر لینے سے کیا حاصل۔

۳۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ قراءت

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ كَانَتْ مَدًّا مَدًّا ثُمَّ قَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَمُدُّ بِبِسْمِ اللّٰهِ وَيَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَيَمُدُّ بِالرَّحِيْمِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضؓ سے پوچھا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا طریقہ کیا تھا۔ اُنھوں نے

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا تُسَافِرُوا بِالْقُرْآنِ فَإِنِّي لَا آمَنُ أَنْ يَنَالَهُ الْعَدُوُّ۔

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی دشمن کی سرزمین میں قرآن لے کر جائے ——— مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ قرآن لے کر (دشمن کی سرزمین میں) نہ جاؤ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ (متفق علیہ)

مدعا یہ ہے کہ جس جگہ قرآن مجید کی توہین اور بے ادبی ہونے کا اندیشہ ہو وہاں جان بوجھ کر قرآن کا لے جانا درست نہیں۔

۴۳۔ اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ جَلَسْتُ فِي عِصَابَةٍ مِنْ ضُعَفَاءِ الْمُهَاجِرِينَ وَإِنَّ بَعْضَهُمْ لَيَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ مِنَ الْعُرْيِ وَقَارِئٌ يَقْرَأُ عَلَيْنَا إِذْ جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَيْنَا، فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكَتَ الْقَارِئُ فَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ مَا كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ؟ قُلْنَا كُنَّا نَسْتَمِعُ إِلَى كِتَابِ اللّٰهِ، فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ أُمِرْتُ أَنْ أَصْبِرَ نَفْسِي مَعَهُمْ، قَالَ فَجَلَسَ وَسْطَنَا لِيَعْدِلَ بِنَفْسِهِ فِينَا، ثُمَّ قَالَ بِيَدِهِ هٰكَذَا فَتَحَلَّقُوا وَبَرَزَتْ وُجُوهُهُمْ لَهُ، فَقَالَ أَبْشِرُوا يَا مَعْشَرَ صَعَالِيكِ الْمُهَاجِرِينَ

بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَاءِ النَّاسِ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَّذٰلِكَ خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُد)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک روز غریب اور خستہ حال مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ حالت یہ تھی کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی اوٹ لے رہا تھا کیونکہ ان کے پاس تن ڈھانکنے کو پورے کپڑے نہیں تھے اور (انہی مہاجرین میں سے) ایک قاری ہمیں قرآن پڑھ کر سنا رہا تھا۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمارے مجمع کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ جب حضورؐ آکر کھڑے ہوئے تو جو صاحب قرآن پڑھ رہے تھے وہ خاموش ہو گئے۔ حضورؐ نے ہم لوگوں کو سلام کہا اور پھر فرمایا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم اللہ کی کتاب سن رہے تھے۔ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔ "اس اللہ کا شکر ہے جس نے میری اُمت میں ایسے لوگ فراہم کر دیئے ہیں جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کی معیت پر مطمئن رہوں" ——— پھر حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آپؐ آکر اس طرح ہمارے درمیان بیٹھ گئے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی امتیاز نہ رہا (یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ ہمیں میں سے ہیں، کوئی الگ شخصیت نہیں)۔ پھر حضورؐ نے اس طرح اشارہ کیا، مدعا یہ تھا کہ حلقہ بنا کر بیٹھو۔ لوگ اس طریقے سے حلقہ بنا کر بیٹھ گئے کہ سب کے چہرے حضورؐ کے سامنے ہو گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا:۔ اے مفلوک الحال مہاجرین، خوشخبری ہو تمہیں اُس مکمل نور کی جو قیامت کے روز

تمھیں حاصل ہوگا۔ تم دولت مندوں سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہوگے اور آخرت کا آدھا دن دنیا کے پانچ سو سال کے برابر ہے۔
(ابوداؤد)

ضُعَفَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ سے بوڑھے یا جسمانی طور پر ضعیف مراد نہیں ہیں بلکہ غریب اور خستہ حال مراد ہیں۔ یعنی وہ مہاجرین جو بے سروسامانی کے عالم میں صرف تن کے کپڑوں کے ساتھ اپنے گھر بار چھوڑ کر آگئے تھے۔ ان کے پاس نہ پہننے کو کپڑا تھا، نہ کھانے کو روٹی اور نہ سر چھپانے کو جگہ۔ لیکن دین کے ساتھ وابستگی اور قرآن سے شیفتگی کا یہ عالم تھا کہ فارغ بیٹھے بیکار باتیں کرنے کے بجائے اللہ کا کلام سنتے اور سناتے۔

اس مقام پر اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کیوں کہی گئی کہ ان لوگوں (ضعیف مہاجرین) کی معیت پر صبر کرلو[1] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کا شکر کیوں ادا کیا ———

قرآن مجید میں یہ بات اُس مقام پر فرمائی گئی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ مکے کے ان بڑے بڑے سرداروں اور دولت مندوں کے قبول حق سے انکار کی کوئی پروا نہ کرو، اور اس بات کی فکر میں نہ لگو کہ ان میں سے کوئی تمھاری جماعت میں آئے گا تو اس کے اثر و دبدبہ اور ذاتی وجاہت سے یہ دین فروغ پائے گا۔ بلکہ اس کے برعکس جو لوگ مفلس اور کنگال ہیں لیکن ایمان لاکر تمھارے پاس آتے ہیں ان کی معیت اور رفاقت پر مطمئن ہو جاؤ۔

● ایک آدمی جب دین کی تبلیغ کا آغاز کرتا ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ بڑے بڑے بااثر لوگ اس کی دعوت پر لبیک کہیں تاکہ ان کے قبول دین سے دعوت دین کے

---

[1] سورۂ کہف میں ارشاد ربانی ہے:۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا:

کام کو فروغ نصیب ہو۔ اس صورت میں جب کم حیثیت اور مفلوک الحال لوگ آگر اس دعوت میں دلچسپی لیتے، اسے قبول کرتے اور اس کام کے لیے خود کو پیش کرتے ہیں تو بعض اوقات وہ یہ سوچتا ہے کہ ایسے کم مرتبہ لوگوں کے ساتھ دین کو کیا فروغ نصیب ہو گا ——— لیکن دین کے لیے کام کرنے والوں کے سوچنے کا یہ انداز درست نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ غریب اور کم حیثیت مومنین کو کم اہم نہ سمجھیں، بلکہ ان کی معیت پر مطمئن ہو جائیں، اور ان کے مقابلے میں بڑے بڑے شیوخ اور رئیسوں کی فکر نہ کریں۔

● کفارِ مکہ کے سردار بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا طعنہ دیتے تھے کہ قوم کے وہ دانا اور صاحب حیثیت لوگ، جن کی طرف قوم اپنے معاملات میں رجوع کرتی ہے، ان میں سے کوئی بھی آپؐ پر ایمان نہیں لایا۔ بس یہ نیچ قسم کے لوگ آپ پر ایمان لائے ہیں اور ان کو لے کر آپؐ چلتے ہیں کہ دنیا میں خدا کا دین پھیلائیں گے۔ ——— ان کے ان طعنوں کے جواب میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جو شخص ایمان لایا ہے وہی دراصل قیمتی ہے۔ اس کے برعکس جو شخص ایمان کو رد کر رہا

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۝ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (پ۱۵ سورۃ الکہف آیت ۲۸، ۲۹)

ترجمہ:۔ اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہو اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے ——— صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔ (تفہیم القرآن جلد سوم، صفحہ ۲۳)

ہے وہ نہ تو کوئی دانا آدمی ہے اور نہ اس کا رئیس ہونا اور شیخ ہونا ہی اہمیت رکھتا ہے۔ آج اگر کوئی شخص شیخ ہے تو کل اس کی شیخیت ختم ہو جاتی ہے، اور اگر آج کوئی رئیس ہے تو کل اس کی ریاست ختم ہو جاتی ہے اور یہی کم حیثیت، نادار اور خستہ حال لوگ ان کا تختہ اُلٹ دیں گے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ مطمئن ہو جاؤ ان لوگوں کی معیت پر جو تمھارے ساتھ آ گئے ہیں اور ان سے نگاہیں نہ پھیرو۔

● نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان خستہ حال مہاجرین کو دیکھا کہ وہ بڑی محبت سے قرآن حسن رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اس نے میرے ساتھ وہ لوگ کر دیے ہیں جن کی معیت پر مجھے مطمئن رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں حضورؐ نے اس بات پر شکر ادا کیا کہ ایسے لوگوں نے دین قبول کر لیا ہے جن کے اندر اتنی بلند حوصلگی اور کردار کی پختگی موجود تھی کہ دین کی خاطر اپنا گھر بار، بال بچے اور مال و دولت سب کچھ چھوڑ کر نکل آئے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مہاجرین کو یہ خوشخبری سنائی کہ قیامت کے روز تمھیں مکمل نور حاصل ہو گا اور تم جنت میں دولت مندوں سے آدھے دن پہلے داخل ہو گے۔ اس طرح حضورؐ نے انھیں اس بات کی تسلی دی کہ خدا کے دین کی خاطر تم نے جس طرح تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کی ہیں، خطرات انگیز کیے ہیں اور عسرت وتنگدستی کی زندگی کو اپنے گھروں کے عیش و آرام پر ترجیح دی ہے ان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تمھیں قیامت کے روز مکمل نور عطا کرے گا اور تم دولت مندوں سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہو گے۔ اس آدھے دن کے متعلق یہ وضاحت فرمائی کہ قیامت کا آدھا دن اس دنیا کے پانچ سو سال کے برابر ہو گا۔

اس چیز کے متعلق تعین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہاں کے آدھے دن سے، اور اس کے پانچ سو سال کے برابر ہونے سے کیا مراد ہے۔ حضورؐ نے یہ بات ذہن نشین کرانے کے لیے کہ آخرت میں زمانے کا معیار اس دنیا سے مختلف ہو گا، مختلف

مواقع پر مختلف مقداریں بیان فرمائی ہیں۔ اس لیے اس معاملے میں بلاوجہ کھوج کرید کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات آخرت میں ہی کھلے گی کہ وہاں زمان و مکان کا مفہوم کیا ہے اور اس کے پیمانے کیا ہیں۔

۴۳۔ قرآن خوش آوازی سے پڑھو

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن مجید کو اپنی (اچھی) آوازوں سے مزین کرو۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کو حتی الامکان اچھے لہجے سے اور خوش آوازی سے پڑھنا چاہیے۔ ایسے بے ڈھنگے طریقے سے نہیں پڑھنا چاہیے کہ دل اس کی طرف کھنچنے کے بجائے اس سے اور زیادہ دور ہو جائیں۔ جیسا کہ ایک فارسی شاعر نے کہا ہے ؎

گر تو قرآں بریں نمط خوانی

ببری رونق مسلمانی (سعدیؒ)

۴۴۔ قرآن کو پڑھ کر بھلا دینا بہت بڑی محرومی ہے

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا مِنِ امْرِءٍ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ یَنْسَاہُ اِلَّا لَقِیَ اللّٰہَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَجْذَمَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص قرآن مجید کو پڑھتا ہے اور پھر اُسے بھلا دیتا ہے وہ قیامت کے روز اس حالت میں اُٹھے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہوگا۔

(ابو داؤد، دارمی)

محدثین نے وضاحت کی ہے کہ اس حدیث میں ہاتھ کے کٹے ہوئے ہونے سے مراد جسمانی طور پر کٹا ہوا ہونا نہیں ہے بلکہ یہ بات محاورۃً کہی گئی ہے اور اس سے مراد کمال بے بسی ہے۔ مثلاً جب آپ اردو زبان میں کہتے ہیں کہ "فلاں آدمی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے" تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ سچ مچ ہاتھوں کے طوطے ہوتے ہیں جو اُڑ جاتے ہیں، بلکہ جب آدمی کمال درجہ بدحواس ہوتا ہے تو اس کی اس حالت کو بیان کرنے کے لیے بطور محاورہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے ———— اسی طرح عربی زبان میں کسی شخص کی بے بسی کی کیفیت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہے ———— اس سے پہلے ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے تھے کہ اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ: "یعنی قرآن یا تو تیرے حق میں حجت ہے یا تیرے خلاف حجت ہے۔" اب اگر ایک شخص ایمان رکھتا تھا اور اسی وجہ سے اس نے قرآن پڑھا لیکن پڑھنے کے بعد اسے بھلا دیا تو سوال یہ ہے کہ اس کے پاس وہ حجت کون سی ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرے گا۔ قرآن کو بھلا دینے کے بعد تو اس کی حجت منقطع ہوگئی۔ اب اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے وہ اپنی صفائی میں پیش کر سکے۔ یہ وہ بے بسی کی کیفیت ہے جس میں قیامت کے روز وہ مبتلا ہوگا اور اسی کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہوگا۔

۴۵۔ تین دن سے کم میں قرآن ختم نہ کرو

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمْ یَفْقَہْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فِیْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہما) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اس شخص نے قرآن کو نہیں سمجھا، جس نے اسے تین شب و روز سے کم میں پڑھا۔

(ترمذی۔ ابوداؤد۔ دارمی)

مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی اس رفتار سے پڑھے کہ تین دن سے کم میں پورا قرآن پڑھ ڈالے تو اس رواروی کے عالم میں وہ قرآن کو کیا سمجھ سکے گا۔ اس لیے حضور نے یہ ارشاد فرمایا کہ قرآن کم از کم تین شب و روز میں ختم کرو۔ اس سے زیادہ دنوں میں ختم کرو تو بہتر ہے لیکن اس سے کم میں نہ کرو، کیونکہ اگر ایک آدمی روزانہ دس پارے کے وسط سے بھی تیز پڑھے تو اس صورت میں وہ کچھ نہیں سمجھ سکے گا۔

۴۶۔ علانیہ اور چھپا کر قرآن پڑھنے کی مثال

عَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْجَاھِرُ بِالْقُرْاٰنِ کَالْجَاھِرِ بِالصَّدَقَۃِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْاٰنِ کَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَۃِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل

کرتے ہیں کہ جو شخص باآواز بلند قرآن مجید پڑھتا ہے وہ اس شخص کے مانند ہے جو علانیہ صدقہ دیتا ہے اور جو شخص آہستہ آواز میں قرآن مجید پڑھتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو چھپا کر صدقہ دیتا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

مراد یہ ہے کہ مذکورہ دونوں طریقوں سے قرآن مجید پڑھنے کا ثواب بھی ہے اور فائدے بھی ہیں۔

اگر ایک آدمی علانیہ صدقہ دے تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی صدقے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور ان کے دلوں میں بھی یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ خدا کی راہ میں صدقہ وخیرات کریں۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص چھپا کر صدقہ دے تو اس کے اندر اخلاص کی کیفیت راسخ ہوتی ہے اور وہ ریاکاری سے محفوظ رہتا ہے ______ ایسا ہی معاملہ قرآن مجید کے چھپا کر آہستہ آواز سے پڑھنے اور بلند آواز سے پڑھنے کا ہے۔ بلند آواز سے پڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ خلق خدا تک قرآن کی تعلیم پہنچتی ہے اور لوگوں میں اس کے پڑھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس آہستہ آہستہ سے چھپا کر پڑھنے کا یہ فائدہ ہے کہ اس طرح آدمی قرآن پورے اخلاص کے ساتھ، بغیر کسی ریا کے، اللہ کو خوش کرنے کے جذبے سے پڑھتا ہے اور اس میں کسی دوسرے جذبے کی آمیزش نہیں ہونے پاتی۔

۴۷۔ قرآن پر ایمان کس کا معتبر ہے

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا اٰمَنَ بِالْقُرْاٰنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهٗ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ)

حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے فرمایا کہ بس یہیں رک جاؤ اب آگے کا تحمل نہیں ہے۔

۴۰۔ علم قرآن کی برکت سے حضرت اُبی ؓ بن کعب کا اعزاز

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ : اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ ، قَالَ آللّٰہُ سَمَّانِیْ لَكَ ؟ قَالَ نَعَمْ ، قَالَ وَقَدْ ذُکِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؟ قَالَ نَعَمْ فَذَرَفَتْ عَیْنَاہُ ، وَفِیْ رِوَایَۃٍ : اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَیْكَ : لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ، قَالَ وَسَمَّانِیْ ؟ قَالَ نَعَمْ ، فَبَکٰی ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں قرآن مجید سناؤں ۔ حضرت اُبی بن کعب ؓ نے عرض کیا : کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر آپ سے یہ بات فرمائی ہے ؟ حضور ؐ نے فرمایا : ہاں ۔ انھوں نے دوبارہ عرض کیا : کیا سچ مچ میرا ذکر اللہ رب العالمین کے حضور میں ہوا ؟ حضور ؐ نے ارشاد فرمایا : ہاں ۔ اس پر حضرت اُبی بن کعب ؓ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے ——— ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ آئے ہیں : اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا . . . . . [1] پڑھ کر سناؤں ۔ حضرت اُبی ؓ

[1] سورۃ البینۃ۔

سُننے میں آئے۔ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی)

مراد یہ ہے حضورؐ قرآن بہت تیز نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ اس طرح آرام سے پڑھتے تھے کہ سُننے والا ایک ایک حرف صاف سُن سکے۔

اگلی حدیث میں اس کی مزید تشریح آتی ہے۔

۴۹۔ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهُ يَقُولُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ثُمَّ يَقِفُ، ثُمَّ يَقُولُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ثُمَّ يَقِفُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ ... وَحَدِيثُ اللَّيْثِ أَصَحُّ)

حضرت ابن جریج حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کا طریقہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ حضورؐ ٹکڑے ٹکڑے کرکے پڑھا کرتے تھے (یعنی ایک ایک فقرے کو الگ الگ کرکے پڑھتے تھے)۔ آپؐ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ پڑھتے تھے پھر ٹھہرتے تھے، پھر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھتے تھے اور پھر توقّف فرماتے تھے۔ (ترمذی)

یہاں یہ بات مزید وضاحت کے ساتھ بتائی گئی ہے کہ حضورؐ قرآن مجید جلدی جلدی نہیں پڑھتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ ایک ہی سانس میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے وَلَا الضَّآلِّيْنَ تک پڑھ ڈالیں، بلکہ آپ ایک ایک فقرے پر ٹھہرتے تھے۔

۵۰۔ کچھ لوگ قرآن کو وسیلۂ دنیا بنالیں گے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَفِيْنَا الْعَرَبِيُّ وَالْاَعْجَمِيُّ، فَقَالَ اقْرَءُوْا فَكُلٌّ حَسَنٌ وَسَيَجِيْءُ اَقْوَامٌ يُقِيْمُوْنَهُ كَمَا يُقَامُ الْقِدْحُ، يَتَعَجَّلُوْنَهُ وَلَا يَتَاَجَّلُوْنَهُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤْدَ وَالْبَيْهَقِيُّ)

حضرت جابرؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خانۂ مبارک سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم لوگ اس وقت (بیٹھے ہوئے) قرآن پڑھ رہے تھے، اور ہم میں سے کوئی عربی تھا اور کوئی عجمی۔ حضورؐ نے ہمیں قرآن پڑھتے سنا تو فرمایا: "پڑھتے جاؤ، سب اچھی طرح پڑھ رہے ہیں۔ عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو اگرچہ قرآن کو خوب محنت کے ساتھ اس انداز سے پڑھیں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے لیکن اس سے ان کی غرض دنیوی فائدے ہوں گے، آخرت ان کا مقصود نہیں ہوگی۔ (ابوداؤد، بیہقی)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس بیان سے کہ ہم میں سے کوئی عربی تھا اور کوئی عجمی، اور حضورؐ نے ہم سب سے فرمایا کہ پڑھتے جاؤ، سب ٹھیک پڑھ رہے ہو، ان کا مقصود دراصل یہ بتانا تھا کہ اس جماعت میں مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ تھے اس لیے ان کے قرآن پڑھنے کا انداز بھی جدا جدا تھا لیکن حضورؐ نے ان سب کی تحسین فرمائی —— ظاہر بات ہے کہ ان میں سے ہر آدمی قرآن کو بالکل صحیح طریقے سے، صحیح مخارج اور صحیح طرزِ ادا کے ساتھ پڑھنے

والا نہیں ہو سکتا تھا۔ بعض کی زبان یا لہجے میں کوئی فطری خامی بھی ہو سکتی تھی اس لیے ان کے قرآن پڑھنے کے لہجے اور انداز میں اختلاف کا پایا جانا فطری تھا لیکن حضورؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ پڑھتے جاؤ تم سب اچھی طرح پڑھ رہے ہو۔ مراد یہ تھی کہ چونکہ تم خلوص نیت کے ساتھ قرآن کو سمجھ کر پڑھ رہے ہو اور اس کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرنے کا عزم رکھتے ہو اس لیے تم صحیح معنوں میں قرآن کو پڑھنے کا حق ادا کر رہے ہو، قطع نظر اس کے کہ تم تجوید کا فن جانتے ہو یا نہیں اور اسے قرات کے اصولوں کے مطابق پڑھ رہے ہو یا نہیں ——— ایک وقت آئے گا جب قرآن کو پڑھا تو جائے گا بڑی ریاضت و مشق اور صحتِ مخارج کے اہتمام کے ساتھ، بالکل اس طرح جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے لیکن اس سے لوگوں کا مقصود دنیا ہو گی، آخرت نہیں ہو گی۔ اس لیے وہ پڑھنا آخرت میں کسی کام نہیں آئے گا۔ البتہ تمہارا یہ پڑھنا بڑا قابلِ قدر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہے۔

۱۵۔ قرآن کو گویّوں اور بَین کرنے والیوں کی طرح نہ پڑھو

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِقْرَؤُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا، وَاِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ، وَسَيَجِيْئُ بَعْدِيْ قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ تَرْجِيْعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ، لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ يُعْجِبُهُمْ شَاْنُهُمْ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَاءِ النَّاسِ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَّذٰلِكَ خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک روز غریب اور خستہ حال مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ حالت یہ تھی کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی اوٹ لے رہا تھا کیونکہ ان کے پاس تن ڈھانکنے کو پورے کپڑے نہیں تھے اور (انہی مہاجرین میں سے) ایک قاری ہمیں قرآن پڑھ کر سنا رہا تھا۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمارے مجمع کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ جب حضورؐ آکر کھڑے ہوئے تو جو صاحب قرآن پڑھ رہے تھے وہ خاموش ہو گئے۔ حضورؐ نے ہم لوگوں کو سلام کہا اور پھر فرمایا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم اللہ کی کتاب سن رہے تھے۔ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔ اُس اللہ کا شکر ہے جس نے میری اُمت میں ایسے لوگ فراہم کر دیئے ہیں جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کی معیت پر مطمئن رہوں" ———— پھر حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آپؐ آکر اس طرح ہمارے درمیان بیٹھ گئے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی امتیاز نہ رہا (یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ ہمیں میں سے ہیں، کوئی الگ شخصیت نہیں)۔ پھر حضورؐ نے اس طرح اشارہ کیا، مدعا یہ تھا کہ حلقہ بنا کر بیٹھو۔ لوگ اس طریقے سے حلقہ بنا کر بیٹھ گئے کہ سب کے چہرے حضورؐ کے سامنے ہو گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا:۔ اے مفلوک الحال مہاجرین، خوشخبری ہو تمہیں اُس مکمل نور کی جو قیامت کے روز

کے بین کرنے کے انداز میں پڑھیں گے۔ بظاہر وہ اسے بڑے ذوق وشوق اور محنت وریاضت کے ساتھ پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور ان کے دلوں تک اس کی رسائی نہیں ہوگی۔ پھر یہی نہیں بلکہ دل ان پڑھنے والوں کے بھی فتنے میں ہوں گے — اور ان کے بھی جو ان کے اس پڑھنے کو سن کر جھومیں گے اور داد وتحسین کے ڈونگرے برسائیں گے۔

حضورؐ نے اس طرح کے پڑھنے والوں اور اس پر سر دھننے والوں کو یہ تنبیہ اس لیے فرمائی کہ یہ قرآن کوئی شاعری نہیں ہے جسے لوگ محض لطف اندوزی کے لیے پڑھیں اور واہ وا اور مرحبا کا شور بلند کریں، جیسے کہ اب ہمارے ہاں قراء توں کی محفلوں میں ہونے لگا ہے۔ بعض اوقات تو ان محفلوں میں مشاعرے کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ فتنے سے خالی نہیں۔

۵۲۔ خوش آوازی قرآن کے حسن میں اضافہ کرتی ہے

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا۔ (رواہ الدارمی)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: قرآن کو اپنی (اچھی) آوازوں کے ذریعے حسین بناؤ کیونکہ اچھی آواز قرآن کے حسن میں اضافہ کرتی ہے۔ (دارمی)

اب تک مسلسل ایسی حدیثیں آئی ہیں جن میں سے اگر ایک میں قرآن کو گا کر پڑھنے سے روکا گیا ہے تو دوسری میں اسے اچھی آواز سے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ گا کر پڑھنے میں اور خوش آوازی سے پڑھنے میں فرق ہے۔ اور اسی فرق

کی بنا پر ایک چیز ناپسندیدہ ہے اور دوسری پسندیدہ۔

۵۱۔ حُسنِ قراءت کا مفہوم کیا ہے

عَنْ طَاؤُسٍ مُرْسَلًا قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَحْسَنُ صَوْتًا لِلْقُرْاٰنِ وَاَحْسَنُ قِرَاءَةً، قَالَ مَنْ اِذَا سَمِعْتَهٗ يَقْرَأُ اُرِيْتَ اَنَّهٗ يَخْشَى اللّٰهَ. قَالَ طَاؤُسٌ وَكَانَ طَلْقٌ كَذٰلِكَ (رواہ الدارمی)

حضرت طاؤس رحؒ سے مرسلاً روایت ہے[1] وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:- کون شخص قرآن کو اچھی آواز سے اور اچھے طریقے سے پڑھنے والا ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:- وہ شخص کہ جب تم اسے پڑھتے ہوئے سنو تو تمھیں ایسا معلوم ہو کہ وہ اللہ سے ڈر رہا ہے ——

حضرت طاؤس رحؒ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود ایسے ہی خوش آواز اور روانی سے پڑھنے والے تھے۔ (دارمیؒ)

اس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش آوازی سے قرآن پڑھنے کے مفہوم کو نہایت عمدگی سے واضح فرما دیا ہے —— جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کو خوش آوازی سے پڑھو لیکن غنا نہ کرو تو لوگوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ پھر خوش آوازی سے کیا مراد ہے؟ اس پر حضورؐ نے یہ تشریح فرمائی کہ قرآن کو اس انداز سے پڑھو جس سے سننے والا یہ محسوس کرے کہ تم خدا سے ڈر رہے ہو ——

---

[1] حضرت طاؤس رحؒ صحابی نہیں تھے کہ انھوں نے خود حضورؐ سے یہ بات سنی ہو بلکہ انھوں نے کسی صحابی رضؓ سے سن کر اسے روایت کیا ہے لیکن اس صحابی کا نام بیان نہیں کیا۔ ایسی روایت کو مرسل روایت کہتے ہیں۔

کام کو فروغ نصیب ہو۔ اس صورت میں جب کم حیثیت اور مفلوک الحال لوگ آگر اس دعوت میں دلچسپی لیتے، اسے قبول کرتے اور اس کام کے لیے خود کو پیش کرتے ہیں تو بعض اوقات وہ یہ سوچتا ہے کہ ایسے کم مرتبہ لوگوں کے ساتھ دین کو کیا فروغ نصیب ہو گا ———— لیکن دین کے لیے کام کرنے والوں کے سوچنے کا یہ انداز درست نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ غریب اور کم حیثیت مومنین کو کم اہم نہ سمجھیں، بلکہ ان کی معیت پر مطمئن ہو جائیں، اور ان کے مقابلے میں بڑے بڑے شیوخ اور رئیسوں کی فکر نہ کریں۔

● کفارِ مکہ کے سردار بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا طعنہ دیتے تھے کہ قوم کے وہ دانا اور صاحب حیثیت لوگ، جن کی طرف قوم اپنے معاملات میں رجوع کرتی ہے، ان میں سے کوئی بھی آپ پر ایمان نہیں لایا۔ بس یہ نیچ قسم کے لوگ آپ پر ایمان لائے ہیں اور ان کو لے کر آپ چلتے ہیں کہ دنیا میں خدا کا دین پھیلائیں گے۔ ———— ان کے ان طعنوں کے جواب میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جو شخص ایمان لایا ہے وہی دراصل قیمتی ہے۔ اس کے برعکس جو شخص ایمان کو رد کر رہا

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (پ۱۵ سورۃ الکہف آیت ۲۸، ۲۹)

ترجمہ:۔ اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہو اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے ———— صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔ (تفہیم القرآن جلد سوم، صفحہ ۲۴-۲۳)

فرمایا کہ قرآن کو تکیہ نہ بنالو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن کو تکیے کی جگہ رکھ کر نہ سویا کرو۔ بلکہ اس کا مفہوم بعد کے فقرے سے سامنے آتا ہے کہ قرآن سے غفلت نہ برتو۔ صبح و شام اس کی تلاوت کرو۔ اس کا ذکر عام کرو اور اس کے مضامین میں غور و فکر کرو۔ یہ حال نہ ہو کہ قرآن آپ کے پاس موجود ہو لیکن آپ غفلت میں پڑے رہیں اور کبھی نظر اٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھیں اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔

پھر فرمایا کہ قرآن کا ثواب جلدی سے (یعنی اس دنیا میں) حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو، اگرچہ اس کا ثواب یقیناً ہے۔ مراد یہ ہے کہ چاہے اس دنیا میں اس کا ثواب نہیں نہ ملے لیکن اس کا ثواب بہر حال ہے جو آخرت میں لازماً ملنا ہے۔ دنیا میں بھی اگرچہ اس کا ثواب کبھی نہ کبھی ملتا ہے لیکن تم اسے دنیوی ثواب کی خاطر نہ پڑھو بلکہ اُخروی ثواب کی خاطر پڑھو۔ دنیا میں تو قرآن کی وجہ سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمھیں دشمنان دین کی تضحیکوں کا نشانہ بننا پڑے لیکن آخرت میں یہ تمھارے لیے بہترین توشہ ثابت ہو گا اور وہاں کا اجر ضائع نہیں ہو سکتا۔

۵۵۔ ابتدا میں قرآن مقامی لہجات کے مطابق پڑھنے کی اجازت تھی

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى غَيْرِ مَا أَقْرَؤُهَا وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَأَنِيهَا فَكِدْتُ أَنْ أَعْجَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَمْهَلْتُهُ حَتَّى انْصَرَفَ ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ فَجِئْتُ بِهِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ

إِنِّي سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا أَقْرَأْتَنِيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسِلْهُ، إِقْرَأْ فَقَرَأَ الْقِرَاءَةَ الَّتِيْ سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هٰكَذَا أُنْزِلَتْ. ثُمَّ قَالَ لِيْ إِقْرَأْ فَقَرَأْتُ فَقَالَ هٰكَذَا أُنْزِلَتْ، إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَأُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ (متفق علیہ واللفظ لمسلم)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں نے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ بن حکیم بن حزام کو سورۂ فرقان اُس سے مختلف طریقے پر پڑھتے سُنا جس سے میں پڑھتا تھا، حالانکہ سورۂ فرقان مجھے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔ قریب تھا کہ میں بے تابی سے اُن پر جھپٹ پڑتا لیکن پھر میں نے (صبر کیا اور) انھیں مہلت دی، یہاں تک کہ انھوں نے اپنی قرأت مکمل کرلی۔ پھر میں نے اُن کی چادر پکڑی اور انھیں کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ، میں نے ان کو سورۂ فرقان اس سے مختلف طریقے پر پڑھتے سنا ہے جس پر کہ آپ نے پڑھائی تھی ——— اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انھیں چھوڑ دو۔ پھر حضرت ہشام رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم پڑھو۔ چنانچہ انھوں نے سورۂ فرقان اسی طرح پڑھی جس طرح کہ میں نے ان کو پڑھتے سُنا تھا ——— اُن کی قرأت سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح اُتری ہے۔

پھر حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ تم پڑھو۔ چنانچہ میں نے (اپنے طریقے پر) پڑھی تو آپؐ نے فرمایا کہ اسی طرح اتری ہے ــــــ پھر مزید فرمایا کہ یہ قرآن سات حرفوں پر اترا ہے، اس لیے جس طرح سہولت ہو اسی طرح پڑھو۔ (متفق علیہ)

سات حرفوں سے مراد سات "تلفظ" یا سات لہجے ہیں۔ عربی زبان میں اختلافِ لہجات ایک معروف چیز ہے۔ عرب کے مختلف قبائل اور مختلف علاقوں کی زبان میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس اختلاف کی نوعیت ایسی نہیں ہے کہ اس سے زبان کے اندر کوئی بنیادی تغیر رونما ہو جاتا ہو۔ مقامی تلفظات، لہجات، محاورات اور زبان کے بعض دوسرے اسالیب کے اختلاف کے باوجود زبان کا بنیادی سانچہ ایک ہی ہے۔ زبان کے مقامی رنگ اور اختلافات کا مشاہدہ آپ یہاں بھی کرتے ہیں۔ مثلاً آپ پنجاب کے مختلف حصوں میں جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہر ضلع کی، اور بعض اوقات ایک ہی ضلع کے مختلف حصوں کی زبان مختلف ہے۔ یہی حال اردو کا بھی ہے۔ پشاور سے لے کر مدراس تک چلے جایئے، اردو بولنے والوں میں ایک ہی مضمون کو ادا کرنے کے لیے مختلف لہجے مختلف تلفظ اور مختلف محاورے ملتے ہیں۔ "دہلی والوں اور لکھنؤ والوں کی زبان"، تو آپ کہتے ہی ہیں۔ اسی طرح حیدر آباد (دکن) اور پنجاب والوں کی اردو ہے۔ ایک ہی مضمون کو ادا کرنے کے لیے مختلف علاقوں کے لوگ مختلف اسالیب اختیار کرتے ہیں ــــــ یہی چیز نزولِ قرآن کے وقت عرب میں بھی تھی اور آج بھی پائی جاتی ہے۔ عرب میں آپ یمن سے لے کر شام تک چلے جائیں، آپ کو لہجے اور تلفظ بدلتے

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص قرآن مجید کو پڑھتا ہے اور پھر اُسے بھلا دیتا ہے وہ قیامت کے روز اس حالت میں اُٹھے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہوگا۔

(ابو داؤد، دارمی)

محدثین نے وضاحت کی ہے کہ اس حدیث میں ہاتھ کے کٹے ہوئے ہونے سے مراد جسمانی طور پر کٹا ہوا ہونا نہیں ہے بلکہ یہ بات محاورۃً کہی گئی ہے اور اس سے مراد کمال بے بسی ہے۔ مثلاً جب آپ اُردو زبان میں کہتے ہیں کہ ”فلاں آدمی کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے“ تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ سچ مچ ہاتھوں کے طوطے ہوتے ہیں جو اُڑ جاتے ہیں، بلکہ جب آدمی کمال درجہ بدحواس ہوتا ہے تو اس کی اس حالت کو بیان کرنے کے لیے بطور محاورہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے ——— اسی طرح عربی زبان میں کسی شخص کی بے بسی کی کیفیت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہے ——— اس سے پہلے ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے تھے کہ اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَيْكَ: ”یعنی قرآن یا تو تیرے حق میں حجت ہے یا تیرے خلاف حجت ہے۔“ اب اگر ایک شخص ایمان رکھتا تھا اور اسی وجہ سے اس نے قرآن پڑھا لیکن پڑھنے کے بعد اسے بھلا دیا تو سوال یہ ہے کہ اس کے پاس وہ حجت کون سی ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرے گا۔ قرآن کو بھلا دینے کے بعد تو اس کی حجت منقطع ہوگئی۔ اب اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے وہ اپنی صفائی میں پیش کر سکے۔ یہ وہ بے بسی کی کیفیت ہے جس میں قیامت کے روز وہ مبتلا ہوگا اور اسی کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہوگا۔

جاتا تھا۔ اس کے بعد جب وہ جا کر دوسرے لوگوں سے بیان کرتا تھا تو زبان کے مقامی اختلافات کے سبب سے اس کے بیان میں بعض جگہ لفظی ردوبدل ہو جاتا تھا لیکن اس سے نفس مضمون میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا تھا، کیونکہ اس قوم کے محاورے کے مطابق وہ بات اس طرح ہوتی تھی جس طرح وہ ادا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں یہ گنجائش رکھی گئی کہ اہل عرب اپنے مقامی لہجات و تلفظات کے مطابق قرآن پڑھ سکیں۔

پیش نظر حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونکہ یہ سمجھا کہ جس طرح انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا تھا اسی طرح ہر آدمی کو پڑھنا چاہیے، اس لیے جب انھوں نے حضرت ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے مختلف طریقے سے قرآن پڑھتے سنا تو ان سے ضبط نہ ہو سکا۔ جتنی دیر تک وہ پڑھتے رہے یہ اپنی جگہ مضطرب رہے۔ ادھر وہ فارغ ہوئے اور ادھر انھوں نے ان کی چادر کھینچی اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔

اب یہ دیکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں کس قدر تحمل اور بردباری تھی۔ آپؐ نے بڑے سکون کے ساتھ ان کی بات سنی اور پھر ان کو نہایت حکمت سے سمجھا دیا کہ میاں تم دونوں جس طریقے سے پڑھتے ہو وہ صحیح ہیں، اللہ تعالیٰ نے دونوں طرح پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

۵۶۔ دین میں اختلاف کے حدود و آداب

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ خِلَافَهَا فَجِئْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقَالَ كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ

فَلَا تَخْتَلِفُوْا فَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اِخْتَلَفُوْا فَهَلَكُوْا۔
(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا اور اس سے پہلے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مختلف طریقے سے پڑھتے سنا تھا۔ میں اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا اور حضورؐ کو اس بات کی خبر دی (کہ یہ شخص ایک مختلف طریقے سے قرآن پڑھتا ہے)۔ میں نے محسوس کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار گزری ہے۔ (میری بات سن کر) آپؐ نے فرمایا: تم دونوں ہی ٹھیک طرح پڑھتے ہو، آپس میں اختلاف مت کرو کیونکہ تم سے پہلے جو قومیں ہلاک ہوئیں وہ اختلاف ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابن مسعودؓ کو یہ بات سمجھائی کہ اگر اختلاف اس نوعیت کا ہو کہ اس سے اصل تعلیم یا اصل حکم نہ بدلتا ہو تو اس طرح کے اختلاف کو برداشت کرنا چاہیے۔ اگر برداشت نہ کرو گے تو آپس میں سرپھٹول کرو گے۔ اس طرح اُمّت میں افتراق اور فتنے کا دروازہ کھلے گا ــــــ البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ جہاں اصل دین یا دین کا کوئی حکم تبدیل ہو رہا ہو وہاں اختلاف نہ کرنا گناہ ہو جاتا ہے کیونکہ ایسے موقع پر اختلاف نہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دین میں تحریف کو قبول کر لیا جائے۔ یہ ایک دوسرا فتنہ ہے جس کا سدِّباب کرنا خود دین ہی کے لیے ضروری ہے۔

۵۷۔ راسخ الایمان صحابیؓ ـــ شفیق نبیؐ ـــ کریم خدا جلّ

عَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ فِی الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ يُّصَلِّیْ فَقَرَاَ قِرَاءَةً اَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ ثُمَّ دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَاَ قِرَاءَةً سِوٰی قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلٰوةَ دَخَلْنَا جَمِيْعًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنَّ هٰذَا قَرَاَ قِرَاءَةً اَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَاَ سِوٰی قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ . فَاَمَرَهُمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَءَا فَحَسَّنَ شَانَهُمَا فَسَقَطَ فِیْ نَفْسِیْ مِنَ التَّكْذِيْبِ وَلَا اِذْ كُنْتُ فِی الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِیْ ضَرَبَ فِیْ صَدْرِیْ فَفِضْتُ عَرَقًا وَكَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلَی اللّٰهِ فَرَقًا، فَقَالَ لِیْ يَا اُبَیُّ اُرْسِلَ اِلَیَّ اَنِ اقْرَءِ الْقُرْاٰنَ عَلٰی حَرْفٍ فَرَدَدْتُ اِلَيْهِ اَنْ هَوِّنْ عَلٰی اُمَّتِیْ فَرَدَّ اِلَیَّ الثَّانِيَةَ اقْرَءْهُ عَلٰی حَرْفَيْنِ فَرَدَدْتُ اِلَيْهِ اَنْ هَوِّنْ عَلٰی اُمَّتِیْ فَرَدَّ اِلَیَّ الثَّالِثَةَ اقْرَءْهُ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ وَلَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُكَهَا مَسْاَلَةٌ تَسْاَلُنِيْهَا فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ وَاَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَّرْغَبُ اِلَیَّ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ حَتّٰی اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت اُبیؓ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں (ایک روز) مسجدِ نبویؐ میں تھا، اتنے میں ایک شخص آیا اور نماز پڑھنے لگا۔ اس نے نماز میں قرأت اس طرح کی کہ مجھے عجیب معلوم ہوئی۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اُس نے ایسی قرأت کی جو پہلے شخص سے بھی مختلف تھی۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم تینوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اس شخص نے قرآنِ مجید اس طرح پڑھا ہے جو مجھے درست معلوم نہیں ہوا، اور اس دوسرے شخص نے اس سے بھی مختلف طریقے سے پڑھا ہے (یہ کیا معاملہ ہے؟) ــــــ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو (اپنے اپنے طریقے سے قرآن) پڑھ کر سنانے کا حکم دیا ــــــ ان دونوں کی قرأت سُن کر حضورؐ نے انھیں درست قرار دیا۔ ــــــ اس پر میرے دل میں تکذیب کا ایسا وسوسہ آیا کہ جاہلیت کے زمانے میں بھی کبھی نہیں آیا تھا ــــــ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ کیفیت دیکھی تو آپؐ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا ــــــ آپؐ کے ہاتھ مارتے ہی میں پانی پانی ہو گیا اور میرے پسینے چھوٹ گئے اور مجھے ڈر کے مارے یوں محسوس ہوا کہ گویا میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں ــــــ پھر حضورؐ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے اُبیؓ! جب قرآنِ مجید میری طرف بھیجا گیا تو مجھے حکم دیا گیا کہ میں اسے ایک حرف پر (یعنی ایک لہجے کے مطابق)

پڑھوں (اور وہ لہجہ قریش کا لہجہ تھا)۔ میں نے جواب میں یہ عرض کہلا بھیجی کہ میری اُمّت کے ساتھ نرمی برتی جائے ـــــ پھر پلٹ کر مجھے جواب دیا گیا کہ دو احرُف (یعنی دو لہجوں) پہ پڑھ سکتے ہو۔ میں نے پھر جواب میں عرض کیا کہ میری اُمّت کے ساتھ اور نرمی برتی جائے ـــــ تیسری مرتبہ جواب میں یہ فرمایا گیا کہ اچھا اب قرآن کو سات لہجوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہو ـــــ مزید یہ ارشاد ہوا کہ جتنی مرتبہ تم نے گزارش کی ہے اور تمہیں اس کا جواب دیا گیا ہے اس پر تمہیں اتنی ہی دعائیں مانگنے کی اجازت دی جاتی ہے (اور وہ دُعائیں قبول ہوں گی) ـــــ اس پہ میں نے عرض کیا: اے خدا میری اُمّت کو معاف کر دے ـــــ اے خدا میری اُمّت کو معاف کر دے ـــــ اور تیسری دُعا میں نے اُس دن کے لیے اُٹھا رکھی جب کہ ساری مخلوق میری طرف رجوع کرے گی (کہ میں خدا کے حضور ان کی شفاعت کروں) یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی رجوع فرمائیں گے۔ (مسلمؒ)

حضرت اُبیؓ بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جلیل القدر صحابیؓ تھے۔ ان کا شمار اکابر اور افاضل لوگوں میں ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ میں سے ہر ایک کے متعلق یہ جانتے تھے کہ کس میں کیا کمال ہے ـــــ حضرت اُبیؓ بن کعب کا کمال یہ تھا کہ وہ قرآن کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اِن کے سامنے یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ دو آدمی دو ایسے مختلف طریقوں سے قرآن پڑھتے ہیں

۵۰۔ کچھ لوگ قرآن کو وسیلۂ دنیا بنا لیں گے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَفِيْنَا الْعَرَبِيُّ وَالْاَعْجَمِيُّ، فَقَالَ اقْرَءُوْا فَكُلٌّ حَسَنٌ وَسَيَجِيْءُ اَقْوَامٌ يُقِيْمُوْنَهٗ كَمَا يُقَامُ الْقِدْحُ، يَتَعَجَّلُوْنَهٗ وَلَا يَتَاَجَّلُوْنَهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالْبَيْهَقِيُّ)

حضرت جابرؓ بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خانۂ مبارک سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم لوگ اس وقت (بیٹھے ہوئے) قرآن پڑھ رہے تھے، اور ہم میں سے کوئی عربی تھا اور کوئی عجمی۔ حضورؐ نے ہمیں قرآن پڑھتے سنا تو فرمایا: "پڑھتے جاؤ، سب اچھی طرح پڑھ رہے ہیں۔ عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو اگرچہ قرآن کو خوب محنت کے ساتھ اس انداز سے پڑھیں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے لیکن اس سے ان کی غرض دنیوی فائدے ہوں گے، آخرت ان کا مقصود نہیں ہوگی۔" (ابوداؤد، بیہقی)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس بیان سے کہ ہم میں سے کوئی عربی تھا اور کوئی عجمی، اور حضورؐ نے ہم سب سے فرمایا کہ پڑھتے جاؤ، سب ٹھیک پڑھ رہے ہو، ان کا مقصود دراصل یہ بتانا تھا کہ اس جماعت میں مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ تھے اس لیے ان کے قرآن پڑھنے کا انداز بھی جدا جدا تھا لیکن حضورؐ نے ان سب کی تحسین فرمائی ——— ظاہر بات ہے کہ ان میں سے ہر آدمی قرآن کو بالکل صحیح طریقے سے، صحیح مخارج اور صحیح طرزِ ادا کے ساتھ پڑھنے

میں پڑ گئے؟

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ محض وسوسے کے آجانے سے آدمی نہ کافر ہو جاتا ہے اور نہ لازماً گنہگار ہی ہوتا ہے۔ وسوسہ ایک ایسی چیز ہے کہ اللہ ہی اس سے بچاتے تو انسان اس سے بچ سکتا ہے، ورنہ نہیں ——— احادیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کرتے تھے کہ یا رسول اللہ کبھی کبھی ہمارے دل میں ایسے وساوس آتے ہیں جن کے بعد ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری تو عاقبت خراب ہو گئی۔ اس پر حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ اصل چیز یہ نہیں ہے کہ تمھارے دل میں وسوسہ نہ آئے، اصل چیز یہ ہے کہ وہ آکر تمھارے دل میں جم نہ جائے۔ کوئی برا خیال آکر گزر جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس پر پکڑ نہیں ہے لیکن اگر برا خیال آئے اور تم اس کو دل میں جگہ دے کر اس کی پرورش کرنے لگو تو یہ چیز ایسی ہے جو آدمی کو ہلاک کرنے والی ہے۔

جب حضرت اُبیؓ کے دل میں ایک بڑا غلط اور فتنہ انگیز قسم کا وسوسہ آیا تو حضورؐ نے فوراً محسوس کر لیا کہ ان کے دل میں یہ وسوسہ آیا ہے۔ اس لیے آپؐ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا ——— آپؐ کے ہاتھ مارتے ہی وہ ہوش میں آ گئے۔ انھیں احساس ہوا کہ یہ میرے دل میں کس قدر برا وسوسہ آیا ہے۔ خود انھی کا بیان ہے کہ یہ محسوس ہوتے ہی مجھ پر اس قدر لرزہ طاری ہوا کہ معلوم ہوتا تھا جیسے خدا میرے سامنے موجود ہے اور خوف کے مارے میرے پسینے چھوٹ گئے ——— حضرت اُبیؓ بن کعبؓ پر یہ فوری شدید ردِ عمل دراصل اس بات کی علامت تھا کہ وہ نہایت پختہ اور کامل ایمان رکھتے ہیں۔ اگر ان کا ایمان اس درجہ مضبوط نہ ہوتا تو ان

پر ایسی شدید کیفیت طاری نہ ہوتی۔

آدمی کا ایمان اگر مضبوط ہو اور اُس کے دل میں کوئی بُرا وسوسہ گزرے تو وہ کانپ جاتا ہے اور اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن اگر ایک آدمی کچے ایمان کا ہو تو بُرا وسوسہ اس کے دل میں آتا ہے اور وہ اس کے ایمان کو ذرا سا ہلا کے چلا جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے اس سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ وسوسہ پھر آتا ہے اور اس کے ایمان کو کچھ اور ہلا کے چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت میں اس کے پورے ایمان کو متزلزل کر کے رکھ دیتا ہے ـــــ لیکن مضبوط اور استوار ایمان والے شخص کا حال یہ نہیں ہوتا۔ وہ بُرا وسوسہ آنے کے بعد فوراً سنبھل جاتا ہے ـــــ حضرت اُبیؓ بن کعب کا ردِ عمل اسی بات کی شہادت پیش کرتا ہے۔

حضرت اُبیؓ بن کعب کے سنبھلنے پر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سمجھانے کے لیے یہ وضاحت فرمائی کہ آغاز میں جب قرآن مجید نازل ہوا تو وہ صرف اُسی لہجے اور محاورے کے مطابق اُترا جو قریش کا تھا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مادری زبان تھی۔ لیکن حضورؐ نے خود اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ اسے دوسرے لہجات کے مطابق بھی پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ درخواست کے الفاظ یہ ہیں کہ ہَوِّنْ عَلٰی اُمَّتِیْ یعنی میری اُمت کے ساتھ نرمی فرمائی جائے۔ حضورؐ کا احساس یہ تھا کہ آپ کی مادری زبان سارے عرب کی مروجہ زبان نہیں ہے بلکہ مختلف علاقوں اور قبیلوں کے کچھ مقامی لہجے اور تلفظات ہیں۔ لیے اگر ان سب لوگوں پر صرف اہلِ قریش ہی کے لہجات اور تلفظات کے

نے ارشاد فرمایا: "قرآن کو عربی لہجے اور عربی آوازوں میں پڑھو اور دیکھو خبردار! اہل عشق اور اہل کتابین (یہود و نصاریٰ) کے سے لہجے اختیار نہ کرو، اور عنقریب میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو گا گا کر یا نوحے کے انداز میں پڑھیں گے۔ قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ دل ان کے بھی فتنے میں پڑے ہوں گے اور ان لوگوں کے بھی، جو اُن کے طرزِ ادا کو پسند کرنے والے ہوں گے۔ (بیہقی، رزین)

قرآن عربی لہجے اور عربی آوازوں میں پڑھنے کی تاکید فرمانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر عرب بھی قرآن کو عربی لہجے میں اور عربیوں کی سی آوازوں میں پڑھیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن کو ایسے سادہ اور فطری طریق سے پڑھا جائے جس طرح ایک عرب پڑھتا ہے۔ ایک عرب جب قرآن مجید کو پڑھے گا تو وہ اسے اس طرح پڑھے گا جیسے ہم اپنی زبان میں کسی کتاب کو پڑھتے ہیں۔ جب آپ اُردو زبان کی کوئی کتاب پڑھ رہے ہوں تو ظاہر بات ہے کہ آپ بنا بنا کر اور گا گا کر نہیں پڑھتے بلکہ اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح کوئی آدمی اپنی مادری زبان کی کسی کتاب کو پڑھتا ہے ——— اس سے پہلے حضورؐ کا یہ ارشاد گزرا ہے کہ قرآن کو اپنی اچھی آوازوں سے مزین کرو۔ معلوم ہوا کہ اچھی آواز کے ساتھ پڑھنا اور اہل عرب کے سے سیدھے سادے طریقے سے پڑھنا دونوں ایک ہی چیز ہیں، کیونکہ سادہ طریقے سے پڑھنے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ آدمی بے ڈھنگے پن سے اور ناگوار آواز سے پڑھے۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ خبردار قرآن کو اہل عشق کے سے لہجے میں مت پڑھو۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح عشق باز لوگ غزلیں گاتے ہیں اس طرح قرآن کو گا گا کر نہ پڑھو۔

اس کے بعد فرمایا کہ عنقریب وہ لوگ آئیں گے جو قرآن کو گا گا کر اور نوحوں

سے مانگ سکتے ہو ۔ ـــــــ ربِّ کریم کی عنایتیں کرنے کے انداز دیکھیے ـــــــ اسی چیز کو قرآن مجید میں فرمایا کہ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ "میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے" ـــــــ تو یہ رحمت کا انداز ہے کہ چونکہ تم نے تین مرتبہ ہم سے اپنی اُمّت کے حق میں نرمی کرنے کی درخواست کی ہے اور ہمیں تمھاری یہ ادا پسند آئی ہے، اس لیے اب تمھیں تین دعائیں کرنے کا حق دیا جاتا ہے ۔ یہ دعائیں ہم قبول کریں گے ۔

اب اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی شانِ رحمت و شفقت بھی اپنی اُمّت کے حق میں دیکھیے کہ دو مرتبہ دُعا مانگ کر تیسری مرتبہ کی دُعا آخرت کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں اور دو مرتبہ کی دُعا بھی کسی دنیوی مفاد اور کسی دولت اور اقتدار کے لیے نہیں مانگی بلکہ صرف اس غرض کے لیے مانگی کہ میری اُمّت کے ساتھ ودرگزر اور چشم پوشی کا معاملہ کیا جائے ۔

فرمایا: اِغْفِرْ لِاُمَّتِیْ: میری اُمّت کی مغفرت فرما۔

مغفرت کے اصل معنی ہیں درگزر کرنا، چشم پوشی کرنا۔ مِغْفَرْ اس خود کو کہتے ہیں جو سر کو چھپاتا ہے ۔ چنانچہ اِغْفِرْ لِاُمَّتِیْ کا مطلب یہ ہے کہ میری اُمّت کے ساتھ درگزر، نرمی اور چشم پوشی کا معاملہ کیا جائے ـــــــ ایک شکل تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی نے قصور کیا اور جھٹ اسے سزا دے دی گئی ۔ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ قصور کرتے ہیں لیکن آپ سے درگزر کیا جاتا ہے اور سنبھلنے کا موقع دیا جاتا ہے ۔ آپ پھر قصور کرتے ہیں لیکن پھر سنبھلنے کا موقع دیا جاتا ہے ۔ اس طرح بار بار درگزر کا معاملہ کیا جاتا ہے تاکہ آدمی بالآخر سنبھل جائے اور اپنی اصلاح کرلے ـــــــ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان وہ قوم ہے جس کے پاس خدا کا آخری کلام قرآن مجید اپنی

اصلی شکل میں محفوظ موجود ہے ۔ اس میں کسی طرح کا کوئی ردوبدل آج تک نہیں ہوا ۔ اسی طرح مسلمان ہی وہ قوم ہے جس کے پاس اس کے نبیؐ کی سیرت، اس کے اقوال، اس کی ہدایات بالکل محفوظ چلی آ رہی ہیں۔ اس کو خوب معلوم ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، ہمارے خدا کا ہم سے کیا مطالبہ ہے اور ہمارے رسولؐ نے ہم کو کیا راستہ بتایا ہے ——— ایک ایسی قوم اگر نافرمانی کرے اور صرف انفرادی طور پر ہی نہیں بلکہ بعض اوقات پوری کی پوری قوم نافرمانی کر بیٹھے مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کو پیس نہ ڈالے تو یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور عظیم درگزر اور مہربانی کے سوا کیا ہے ——— ! ——— جرم کی ایک صورت تو یہ ہے کہ آدمی کو یہ معلوم نہ ہو کہ جرم کیا ہے اور پھر وہ جرم کر بیٹھے۔ اس صورت میں وہ ایک طرح کی نرمی کا مستحق ہوتا ہے۔ مگر ایک آدمی کو معلوم ہے کہ قانون کیا ہے اور کیا چیز اس قانون کی رو سے جرم ہے مگر اس کے باوجود وہ قانون کو توڑتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا شخص سخت سزا کا مستحق ہے ——— یہی مثال اس وقت مسلم قوم کی ہے ——— لیکن اس کے باوجود یہ دیکھئے کہ ان تیرہ چودہ سو سال میں اللہ تعالیٰ کا عذاب عام آج تک مسلمانوں پر نازل نہیں ہوا۔ اگر وہ کسی جگہ پڑے ہیں تو کسی جگہ نیچے بھی رہے ہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے اپنی اُمت کے حق میں درگزر اور چشم پوشی کی جو دعا مانگی تھی وہ دعا فی الواقع قبول ہوئی ——— !

یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ اِغْفِرْ لِاُمَّتِیْ کے الفاظ سے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ نہیں تھی کہ میری اُمت جو کچھ بھی غلط افعال کرے وہ سب بخش دیے جائیں ـــــ خود حضورؐ ہی فرماتے ہیں کہ ایک آدمی قیامت کے روز اس حالت میں آئے گا کہ اس کے اُوپر سے ایک بکری ممیا رہی ہو گی جو اس نے چرائی تھی اور وہ آکر مجھے پکارے گا 'یارسول اللہ! یارسول اللہ! ـــــ میں اس کو کیا جواب دوں گا؟ مطلب یہ ہے کہ اگر اس طرح کے کام کرکے آؤ گے جن کی سزا لازماً ملنی چاہیے تو تم میری شفاعت کے مستحق نہیں ہو سکتے ـــــ وہاں شفاعت اس معنی میں نہیں ہو گی کہ چونکہ یہ میرے ہیں اس لیے خواہ دنیا میں ظلم و ستم ڈھاکے آئے ہوں، لوگوں کے حق مار کے آتے ہوں مگر ان کو معاف کر دیا جائے اور دوسروں نے اگر ظلم کیا ہو تو ان کو پکڑ لیا جائے ـــــ قیامت کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے یہ معنی نہیں ہوں گے اور نہ ہو سکتے ہیں۔

۵۸۔ اختلافِ لہجات سے قرآن کے مفہوم میں فرق واقع نہیں ہوتا تھا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَقْرَأَنِيْ جِبْرِيْلُ عَلٰى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيْدُهُ وَيَزِيْدُنِيْ حَتّٰى انْتَهٰى إِلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ۔ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ بَلَغَنِيْ أَنَّ تِلْكَ السَّبْعَةَ الْأَحْرُفَ إِنَّمَا هِيَ فِي الْأَمْرِ تَكُوْنُ وَاحِدًا لَا تَخْتَلِفُ فِيْ حَلَالٍ وَّلَا حَرَامٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نے پہلے مجھے قرآن مجید ایک حرف پر پڑھوایا۔ پھر میں نے بار بار ان سے اصرار کیا اور یہ مطالبہ کرتا گیا کہ قرآن مجید دوسرے حروف پر بھی پڑھنے کی اجازت دی جائے وہ یہ اجازت دیتے گئے یہاں تک کہ سات حرفوں تک پہنچ گئے ــــــ اس روایت کے راوی جناب ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں کہ وہ سات حروف جن پر قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی ایسے تھے کہ وہ تعداد میں سات ہونے کے باوجود گویا ایک ہی کے بمنزلہ تھے۔ ان پر قرآن پڑھنے سے (بات ایک ہی رہتی تھی اور) حلال وحرام کا فرق واقع نہیں ہو جاتا تھا۔ (متفق علیہ)

اس بات کی وضاحت گزر چکی ہے کہ اہلِ عرب کو سات حروف (لہجات) پر قرآنِ مجید پڑھنے کی اجازت اس بنا پر دی گئی کہ نزولِ قرآن کے وقت عرب میں لکھنے پڑھنے کا عام رواج نہیں تھا اور صرف گنتی کے لوگ لکھنے پڑھنے کے قابل تھے، اس لیے لامحالہ قرآن کی تبلیغ و اشاعت کا کام زبانی تلقین و بیان ہی سے ہو سکتا تھا ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ مجید تقریر کی شکل میں بیان فرماتے تھے اور لوگ اسے سُن کر یاد کر لیتے تھے اور آگے پہنچاتے تھے۔ چونکہ عرب کے مختلف علاقوں میں مقامی بولیاں اور لہجات رائج تھے اس لیے لوگوں کو ایک سخت آزمائش اور مشکل سے بچانے کے لیے قرآن مجید مقامی لہجات و تلفظات کے ساتھ پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ مگر یہ اجازت مستقل نہیں تھی۔ بعد میں حالات کی تبدیلی کے ساتھ یہ اجازت ختم کر دی گئی ــــــ آگے وہ

احادیث آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجازت کس طرح ختم ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سالہا سال کی تبلیغ و اشاعتِ دین کے نتیجے میں جب اسلامی حکومت کی بنیاد پڑی تو اس کے اوّلین فرائض میں سے ایک فریضہ لوگوں کو تعلیم یافتہ بنانا تھا کیونکہ مسلمان اور جہالت دونوں چیزوں کا کبھی تصور نہیں ہو سکتا۔ اسلامی حکومت نے ابتدائی دور میں تو لوگوں کو دین زیادہ تر زبانی تلقین کے ذریعے سے سکھایا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس امر کی مسلسل کوشش کی گئی کہ پوری قوم تعلیم یافتہ ہو جائے۔ چنانچہ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں تعلیم کا اتنے بڑے پیمانے پر کام کیا گیا کہ ایک اندازے کے مطابق اس وقت سو فی صد خواندگی پیدا ہو چکی تھی۔ اور یہ سب اہتمام صرف اس لیے کیا گیا کہ لوگ قرآن پڑھنے کے قابل ہو جائیں۔

یعنی مسلمان کی نگاہ میں خواندگی کی اوّلین اہمیت یہ نہیں ہے کہ وہ دنیا کے معاملات کی نوشت و خواند کرنے کے قابل ہو جائے، یہ تو محض ایک ضمنی فائدہ ہے اصل فائدہ یہ کہ آدمی قرآن پڑھنے کے قابل ہو سکے۔ جب تک وہ قرآن پڑھنے کے قابل نہیں ہوگا اور براہِ راست یہ نہیں جان سکے گا کہ اس کے خدا نے اس پر کیا ذمہ داریاں عائد کی ہیں، وہ کس امتحان میں ڈالا گیا ہے اور اس امتحان میں اس کی کامیابی کی کیا صورت ہے اور ناکامی کے اسباب کیا ہیں، اُس وقت تک وہ ایک مسلمان کی سی زندگی بسر کرنے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے تعلیم اسلامی معاشرے میں ایک بنیادی اہمیت رکھتی ہے اور اسلامی خلافت نے اس کام کو اپنے اوّلین بنیادی فریضے کی حیثیت ہی سے انجام دیا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور ہی میں یہ کام

شروع کر دیا تھا۔ جنگ بدر کے موقع پر جب قریش کے لوگ گرفتار ہو کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو پڑھے لکھے ہوں وہ ہمارے اتنے بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں تو ہم ان کو کوئی فدیہ لیے بغیر رہا کر دیں گے۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں لوگوں کو خواندہ بنانے کی کیا اہمیت تھی۔

پھر جب لوگوں کو خواندہ بنا دیا گیا اور انھیں اس قابل کر دیا گیا کہ وہ پڑھ لکھ سکیں تو اس کے بعد قرآن مجید دوسرے لہجات پر پڑھنے کی اجازت ختم کر دی گئی، اور صرف قریش کے لہجے کو برقرار رکھا گیا کیونکہ قرآن مجید قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مادری زبان تھی۔ حضورؐ کا قاعدہ یہ تھا کہ قرآن مجید جس وقت نازل ہوتا تھا آپ پہلی فرصت میں اسے کسی ایسے صحابی کو بلا کر لکھوا دیتے تھے جو لکھے پڑھے ہوتے تھے۔ آگے بعض احادیث میں اس کی کیفیت آتی ہے کہ قرآن مجید کس طرح جمع کیا گیا ——— یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآن مجید آغاز میں قریش کی زبان اور محاورے کے علاوہ دوسرے جن لہجات میں پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی وہ بعد میں ختم کر دی گئی، نیز قرآن مجید آغاز ہی سے تحریری شکل میں لغت قریش کے مطابق لکھا گیا تھا۔

۵۹۔ مختلف لہجات میں قرآن پڑھنے کی اجازت ایک بہت بڑی سہولت تھی

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ لَقِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِيْلَ فَقَالَ يَا جِبْرِيْلُ إِنِّي بُعِثْتُ إِلَى أُمَّةٍ أُمِّيِّيْنَ مِنْهُمُ الْعَجُوْزُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيْرُ

وَالْغُلَامُ وَالْجَارِيَةُ وَالرَّجُلُ الَّذِیْ لَمْ یَقْرَأْ کِتَابًا قَطُّ، قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِاَحْمَدَ وَاَبِیْ دَاوٗدَ: قَالَ لَیْسَ مِنْهَا اِلَّا شَافٍ کَافٍ، وَفِیْ رِوَایَةٍ لِلنَّسَائِیْ قَالَ اِنَّ جِبْرِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ اَتَیَانِیْ فَقَعَدَ جِبْرِیْلُ عَنْ یَمِیْنِیْ وَمِیْکَائِیْلُ عَنْ یَسَارِیْ فَقَالَ جِبْرِیْلُ اقْرَأِ الْقُرْاٰنَ عَلٰی حَرْفٍ قَالَ مِیْکَائِیْلُ اسْتَزِدْهُ حَتّٰی بَلَغَ سَبْعَةَ اَحْرُفٍ فَکُلُّ حَرْفٍ شَافٍ کَافٍ.

حضرت اُبیؓ بن کعب بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ اے جبریلؑ! میں ایک ایسی اُمّت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں جو اَن پڑھ (لوگوں پر مشتمل) ہے اور پھر ان میں سے کوئی بوڑھا ہے، کوئی بہت زیادہ سن رسیدہ ہے، کوئی لڑکا ہے کوئی لڑکی ہے، کوئی ایسا آدمی ہے جس نے کبھی کوئی تحریر (یا کتاب) نہیں پڑھی ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے جواب دیا کہ اے محمدؐ! قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے ——— یہ روایت ترمذی نے بیان کی ہے۔ امام احمد اور ابو داؤد کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے مزید یہ فرمایا کہ قرآن ان حروف میں سے جس حرف پر بھی نازل ہوا ہے وہ شافی کافی ہے۔ نسائی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: حضرت جبریلؑ اور میکائیلؑ میرے پاس آئے۔ جبریلؑ میری دائیں طرف بیٹھے اور میکائیلؑ بائیں طرف، پھر حضرت جبریلؑ نے مجھ سے کہا کہ قرآنِ مجید ایک حرف پر (یعنی قریش کی زبان کے مطابق) پڑھو ـــــــ حضرت میکائیلؑ نے مجھ سے کہا کہ ایک اور حرف پر پڑھنے کی اجازت مانگیے ـــــــ (میں یہ اجازت مانگتا گیا) یہاں تک کہ سات حرفوں پر پڑھنے کی اجازت دے دی گئی اور ان میں سے ہر حرف شافی کافی ہے۔

(ترمذی، احمد، ابوداؤد، نسائی)

ہر حرف کے شافی کافی ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کی گمراہی کا خطرہ نہیں ہے جس طرح لغتِ قریش کے مطابق قرآن کا پڑھنا شافی کافی ہے اسی طرح دوسرے قبیلوں کی لغت میں اسے پڑھنا شافی کافی ہے۔ ان میں سے کسی کے مطابق پڑھنے سے اس بات کا کوئی خطرہ نہیں کہ قرآن کا اصل منشاء اور مفہوم بدل جائے۔

۶۰۔ قرآن سنانے کا معاوضہ لینا غلط ہے

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّهٗ مَرَّ عَلٰى قَاصٍّ يَقْرَاُ ثُمَّ يَسْأَلُ فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ فَلْيَسْأَلِ اللّٰهَ بِهٖ فَاِنَّهٗ سَيَجِيْئُ اَقْوَامٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ يَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمرانؓ بن حصینؓ کا بیان ہے کہ ان کا گزر ایک ایسے

واعظ پر ہوا جو قرآن پڑھتا تھا اور لوگوں سے بھیک مانگتا تھا ـــــ یہ دیکھ کر انھوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا ـــــ پھر وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اسے چاہیئے کہ وہ جو کچھ مانگے صرف اللہ سے مانگے ـــــ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ قرآن پڑھیں گے اور اس کا معاوضہ لوگوں سے مانگیں گے۔

(احمد، ترمذی)

حدیث کا مضمون واضح ہے ـــــ تاہم اس مقام پر ایک بات ملحوظ رہے کہ اگرچہ قرآن پڑھ کر اس کا معاوضہ مانگنا یا اسی طرح نماز پڑھانے کا معاوضہ لینا شرعاً نہایت مکروہ چیز ہے اور قدیم زمانے میں فقہاء اس کی کراہت پر متفق تھے لیکن بعد میں کچھ ایسے حالات پیش آئے جن سے فقہاء کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر ایسا کوئی معاوضہ لینے کو قطعی ممنوع رکھا گیا تو اس بات کا امکان ہے کہ مسجدوں میں پانچ وقت کی نماز باجماعت کا اہتمام اور مسجدوں کی آبادی کا نظام برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اس لیے انھوں نے ایک بڑی مصلحت کی خاطر اس بات کی اجازت دے دی کہ جو لوگ دن میں باقاعدہ نماز اپنے وقت پر پڑھانے کی ذمہ داری قبول کریں ان کو معاوضہ دیا جا سکتا ہے ـــــ تاہم اصولاً اب بھی یہ بات اپنی جگہ قائم ہے کہ اگر کوئی آدمی ایسے ذرائع پاتا ہو جن سے وہ اپنی روزی کما سکے اور اس کے ساتھ مسجد میں باقاعدہ نماز پڑھانے کی ذمہ داری قبول کر لے تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں ـــــ میرے نزدیک وہ امام نہایت قابلِ قدر ہے جو مسجد کے دروازے کے باہر بیٹھ کر جوتی

ہوتے ملیں گے۔ ایک ہی مضمون کو عرب کے ایک حصے میں کسی اور طرح ادا کرتے ہیں اور دوسرے حصے میں کسی اور طرح، لیکن اس اختلاف کے باوجود معنی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا ـــــ چنانچہ اس حدیث میں سات حرفوں سے مراد لہجات اور اسالیب وغیرہ کا اختلاف ہے ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآنِ مجید اگرچہ قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے لیکن اہلِ عرب کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ اسے اپنے مقامی لہجات اور تلفظات کے ساتھ بھی پڑھ سکیں۔ کیونکہ ایک عرب جب قرآن مجید کو پڑھے گا تو زبان کے مقامی اختلافات کے باوجود اس میں کوئی ایسا ردّ و بدل نہیں ہوگا جس سے معنی اور مفہوم تبدیل ہو جائیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حرام حلال ہو جاتے یا حلال حرام ہو جاتے۔ یا توحید کا مضمون ہو اور وہ مشرکانہ زبان میں ادا کر دیا جائے۔

یہ اجازت صرف اُس زمانے کے لئے تھی جب قرآن ابھی عرب سے باہر نہیں نکلا تھا اور اس کو پڑھنے والے صرف عرب ہی تھے لیکن بعد میں یہ اجازت اور سہولت ختم کر دی گئی۔

اس بات کو بھی سمجھ لیجئے کہ مختلف لہجات کے ساتھ قرآن پڑھنے کی اجازت کیوں دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن کی اشاعت اس زمانے میں تحریری شکل میں نہیں ہو رہی تھی، عرب کے لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور معلوم ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت صرف گنتی کے پڑھے لکھے لوگ ملتے تھے۔ عربوں میں لکھنے پڑھنے کا جو کچھ رواج ہوا وہ اسلام کے بعد ہی ہوا۔ چنانچہ اس زمانے میں لوگ قرآن زبانی سنتے اور یاد کرتے تھے۔ پھر چونکہ ان کی مادری زبان عربی تھی اس لیے انہیں قرآن کو یاد کرنے اور یاد رکھنے میں زیادہ دقت پیش نہیں آتی تھی۔ ایک عرب جب قرآن سنتا تھا تو اسے اس کا پورا مضمون یاد ہو

ئے ہیں کہ اس شخص کے چہرے پر گوشت پوست نہیں ہوگا جو قرآن کو محض روٹی کمانے کا وسیلہ بناتا ہے ـــــــ یعنی اللہ تعالیٰ اُس کو قیامت کے روز بے عزت کر دے گا۔

۶۲۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فصلِ سورت ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْرِفُ فَصْلَ السُّوْرَةِ حَتّٰى يَنْزِلَ عَلَيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗد)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا میں یہ نہیں جانتے تھے کہ ایک سورت کہاں ختم ہوتی ہے اور دوسری کہاں سے شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ آپ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی۔ (ابوداؤد)

مراد یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورتوں کے آغاز و انجام کو معلوم کرنے میں وقت پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل کرکے یہ بتا دیا کہ جہاں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم شروع ہو اس سے یہ سمجھا جائے کہ یہاں ایک سورت ختم ہو گئی ہے اور دوسری شروع ہو رہی ہے۔ اس طرح یہ آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم در اصل "فصلِ سورت" ہے جو اللہ تعالیٰ نے سورتوں کے آغاز و انجام میں فرق کرنے کے لیے نازل فرمائی ـــــــ یہ قرآن مجید میں سورۂ نحل کی ایک آیت کے طور پر بھی آتی ہے ـــــــ ملکۂ سبا اپنے درباریوں سے کہتی ہے کہ میرے

نام حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک خط آیا ہے جو اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع ہوتا ہے: (اِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) اس طرح وہاں یہ اُس سورت کی ایک آیت کے طور پر نازل ہوئی ہے لیکن دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس کو سورتوں کے درمیان فصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

اب ہر سورت کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ اب اس میں صرف ایک استثناء ہے اور وہ یہ ہے کہ سورۂ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھوایا ہوا جو مسودہ ملا تھا اس پر اس سورہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں ملی تھی۔ اس لیے صحابۂ کرام رض نے اس کو اسی طرح نقل کر دیا۔ انھوں نے اپنی طرف سے یہ نہیں کیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا خود اضافہ کر دیں ـــــــ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآنِ مجید کو ایک مصحف کی شکل میں مرتب کرتے ہوئے صحابۂ کرام رض نے کس قدر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ انھیں معلوم تھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لیے ہے اور وہ قیاس کر کے اسے آسانی سے سورۂ توبہ کے آغاز میں لکھ سکتے تھے، نیز وہ یہ بھی خیال کر سکتے تھے کہ ممکن ہے حضورؐ کو اس کے لکھوانے کا خیال نہ رہا ہو یا جس صحابی سے آپ لکھواتے تھے وہ لکھنا بھول گئے ہوں گے لیکن انھوں نے اس طرح کا کوئی قیاس نہیں کیا بلکہ جس طرح خود حضورؐ کا لکھوایا ہوا مسودہ ملا اس کو اسی طرح سے نقل کر دیا اور اپنی طرف سے اس میں ایک شوشہ بھی نہیں بڑھایا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے اپنی کتاب کی حفاظت

کا ایسا بے نظیر انتظام کیا۔ دنیا میں اس وقت کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں کلامِ خداوندی بالکل اپنی اصلی صورت میں بغیر کسی آمیزش اور ردّ و بدل کے اس طرح محفوظ ہو۔ یہ شرف صرف قرآن مجید ہی کو حاصل ہے۔

۴۳۔ صحابہ کرامؓ نے قرآن کس ذمہ داری سے حفظ کیا تھا

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كُنَّا بِحِمْصَ فَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ سُوْرَةَ يُوْسُفَ فَقَالَ رَجُلٌ مَّا هٰكَذَا أُنْزِلَتْ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ وَاللهِ لَقَرَأْتُهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحْسَنْتَ، فَبَيْنَا هُوَ يُكَلِّمُهُ إِذْ وَجَدَ مِنْهُ رِيْحَ الْخَمْرِ فَقَالَ أَتَشْرَبُ الْخَمْرَ وَيُكَذِّبُ بِالْكِتَابِ فَضَرَبَهُ الْحَدَّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جناب علقمہؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حمص (شام) میں تھے، وہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۂ یوسف پڑھی تو ایک شخص نے (جو وہاں موجود تھا) کہا کہ یہ اس طرح نازل ہوئی، حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے یہ سورت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھی ہے اور حضورؐ نے فرمایا تھا کہ تم نے ٹھیک پڑھی ہے ـــــ اس دوران میں جب وہ اس شخص سے بات کر رہے تھے انھیں اس کے منہ سے شراب کی بو آئی ـــــ اس پر آپؓ نے اس سے فرمایا کہ شراب پیتے ہو اور پھر قرآن سُن کر اس کی

۵۷- راسخ الایمان صحابیؓ — شفیق نبیؐ — کریم خدا جل

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ
رَجُلٌ يُصَلِّي فَقَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ ثُمَّ دَخَلَ
آخَرُ فَقَرَأَ قِرَاءَةً سِوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ فَلَمَّا
قَضَيْنَا الصَّلٰوةَ دَخَلْنَا جَمِيعًا عَلَى رَسُولِ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنَّ هٰذَا قَرَأَ قِرَاءَةً
أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ سِوَى قِرَاءَةِ
صَاحِبِهِ. فَأَمَرَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَرَءَا فَحَسَّنَ شَأْنَهُمَا فَسَقَطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ
وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِي ضَرَبَ فِي
صَدْرِي فَفِضْتُ عَرَقًا وَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى اللهِ
فَرَقًا، فَقَالَ لِي يَا أُبَيُّ أُرْسِلَ إِلَيَّ أَنِ اقْرَإِ الْقُرْآنَ
عَلَى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلَى أُمَّتِي فَرَدَّ
إِلَيَّ الثَّانِيَةَ اقْرَأْهُ عَلَى حَرْفَيْنِ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ
أَنْ هَوِّنْ عَلَى أُمَّتِي فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّالِثَةَ اقْرَأْهُ عَلَى
سَبْعَةِ أَحْرُفٍ وَلَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُكَهَا
مَسْأَلَةٌ تَسْأَلُنِيهَا فَقُلْتُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي اللّٰهُمَّ
اغْفِرْ لِأُمَّتِي وَأَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ إِلَيَّ
الْخَلْقُ كُلُّهُمْ حَتَّى إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

(رواه مسلم)

يُرَاجِعُنِي حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِي لِذٰلِكَ وَرَأَيْتُ فِي ذٰلِكَ الَّذِي رَاٰى عُمَرُ، قَالَ زَيْدٌ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْاٰنَ فَاجْمَعْهُ، فَوَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفُوْنِيْ نَقْلَ جَبَلٍ مِّنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ اَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا اَمَرَنِيْ بِهٖ مِنْ جَمْعِ الْقُرْاٰنِ، فَقَالَ قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلُوْنَ شَيْئًا لَّمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ اَبُوْبَكْرٍ يُرَاجِعُنِيْ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِيْ لِلَّذِيْ شَرَحَ لَهٗ صَدْرَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْاٰنَ اَجْمَعُهٗ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ حَتّٰى وَجَدْتُّ اٰخِرَ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ مَعَ اَبِيْ خُزَيْمَةَ الْاَنْصَارِيِّ لَمْ اَجِدْهَا مَعَ اَحَدٍ غَيْرِهٖ: لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ حَتّٰى خَاتِمَةِ بَرَاءَةَ فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ اَبِيْ بَكْرٍ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهٗ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری بیان فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں جنگ یمامہ میں کثرت سے صحابۂ کرامؓ شہید ہوئے، حضرت ابوبکرؓ نے مجھے طلب فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت

عمرؓ بن خطاب بھی وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ عمرؓ میرے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ جنگِ یمامہ میں قرآن کے قاری (جنھیں قرآن یاد تھا اور وہ لوگوں کو پڑھ کر سناتے تھے) بہت کثرت سے شہید ہوئے ہیں اور مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر قرآن کے پڑھنے پڑھانے والے ایسی ہی دوسری جنگوں میں شہید ہوتے گئے تو قرآن کا بڑا حصہ ، ضائع ہو جائے گا۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کو جمع کرنے (یعنی کتابی صورت میں یکجا کرنے) کا حکم دے دیں ——— حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عمرؓ سے کہا، تم وہ کام کیسے کروگے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ؟ عمرؓ نے مجھے جواب دیا کہ خدا کی قسم یہ کام اچھا ہے ——— پھر وہ برابر مجھ سے اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا اور میری رائے بھی وہی ہو گئی جو عمرؓ کی تھی ——— حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا: تم ایک جوان آدمی ہو، صاحبِ عقل ہو، تمھارے متعلق ہمیں کوئی شبہ بھی نہیں (یعنی تم ہر طرح قابلِ اعتماد ہو) اور تم پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کی کتابت بھی کرتے رہے ہو ——— اس لیے اب تم قرآن مجید کے اجزا کو تلاش کر کے نکالو اور اسے یکجا جمع کر دو ———

حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ! اگر وہ مجھے پہاڑ اٹھانے کا

پڑھوں (اور وہ لہجہ قریش کا لہجہ تھا)۔ میں نے جواب میں یہ عرض کہلا بھیجی کہ میری اُمّت کے ساتھ نرمی برتی جائے ـــــ پھر پلٹ کر مجھے جواب دیا گیا کہ دو اَحرُف (یعنی دو لہجوں) پر پڑھ سکتے ہو۔ میں نے پھر جواب میں عرض کیا کہ میری اُمّت کے ساتھ اور نرمی برتی جائے ـــــ تیسری مرتبہ جواب میں یہ فرمایا گیا کہ اچھا اب قرآن کو سات لہجوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہو ـــــ مزید یہ ارشاد ہوا کہ جتنی مرتبہ تم نے گزارش کی ہے اور تمہیں اس کا جواب دیا گیا ہے اس پر تمہیں اتنی ہی دعائیں مانگنے کی اجازت دی جاتی ہے (اور وہ دُعائیں قبول ہوں گی) ـــــ اس پر میں نے عرض کیا: اے خدا میری اُمّت کو معاف کر دے ـــــ اے خدا میری اُمّت کو معاف کر دے ـــــ اور تیسری دُعا میں نے اُس دن کے لیے اُٹھا رکھی جب کہ ساری مخلوق میری طرف رجوع کرے گی (کہ میں خدا کے حضور ان کی شفاعت کروں) یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی رجوع فرمائیں گے۔ (مسلم شریف)

حضرت اُبیؓ بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جلیل القدر صحابیؓ تھے۔ ان کا شمار اکابر اور افاضل لوگوں میں ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ میں سے ہر ایک کے متعلق یہ جانتے تھے کہ کس میں کیا کمال ہے ـــــ حضرت اُبیؓ بن کعب کا کمال یہ تھا کہ وہ قرآن کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اِن کے سامنے یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ دو آدمی دو ایسے مختلف طریقوں سے قرآن پڑھتے ہیں

صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں قرآنِ مجید کو مرتب کرا کے کتابی شکل میں یکجا فرما دیتے۔ لیکن جب آپؐ نے یہ کام نہیں کیا تو اب ہم اسے کرنے کی کیسے جرأت کریں ـــــــ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استدلال یہ تھا کہ اگر یہ بجائے خود ایک اچھا کام ہے اور شریعت اور اسلام کے بنیادی تقاضوں کے مطابق ہے، اور اس کے خلاف کوئی ممانعت بھی موجود نہیں ہے تو یہ چیز اس بات کے لیے کافی دلیل ہے کہ یہ کام مباح ہے۔ اسی وجہ سے انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم میرے نزدیک یہ کام اچھا ہے۔

حضرت زیدؓ کا یہ قول کہ خدا کی قسم، اگر وہ مجھے پہاڑ اٹھانے کا حکم دیتے تو وہ میرے لیے اتنا سخت بھاری کام نہ ہوتا جتنا بھاری کام جمع قرآن کا تھا، اُن کے اس شدید احساس کی ترجمانی کرتا ہے کہ قرآن کو جمع کرنا ایک بڑی کٹھن ذمہ داری تھی۔ قرآن مجید کو مختلف جگہوں سے اکٹھا کرنا اور اس کے بعد اس کو اسی ترتیب سے لکھنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تھی حقیقتاً ایک بڑی کڑی ذمہ داری تھی اور حضرت زیدؓ کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ اگر مجھ سے کوئی ذرہ برابر بھی غلطی ہو گئی تو آئندہ نسلوں تک قرآن کے غلط شکل میں پہنچنے کی ساری ذمہ داری مجھ پر پڑے گی ـــــــ اسی احساس نے آپ سے یہ الفاظ کہلوائے کہ یہ بوجھ مجھ پر پہاڑ اٹھانے سے زیادہ سخت ڈالا گیا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن تین ذرائع سے جمع کیا گیا:۔

ایک ذریعہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن مجید لکھوایا تھا وہ کھجور کی چھالوں یا سفید پتھر کی پتلی پتلی تختیوں پر لکھوایا تھا۔ حضورؐ کا طریقہ یہ تھا کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپؐ صحابہ کرامؓ میں سے کسی

لکھے پڑھے آدمی کو جن کے لیے کاتبینِ وحی کا لفظ استعمال ہوتا ہے، بلاتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ اس سورت یا ان آیات کو فلاں فلاں مقام پر لکھو۔ وہ لکھوا کر پھر آپ سُن لیتے تھے تاکہ اس کی صحت کا اطمینان ہو جائے۔ اس کے بعد ایک تھیلے میں یہ چیزیں ڈال دی جاتی تھیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری زمانے میں (جیسا کہ آگے بعض احادیث آتی ہیں) یہ بھی بتا دیا کہ فلاں آیت فلاں سورت کی ہے اور فلاں آیت فلاں آیت کے بعد اور فلاں سے پہلے رکھی جائے۔ اس طرح سورتوں کی ترتیب خود حضورﷺ ہی نے قائم کر دی تھی جس سے لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سورتوں میں آیات کس ترتیب سے ہیں، لیکن اس ترتیب سے آپؐ نے قرآن مجید کو ایک کتابی شکل میں نہیں لکھوا دیا تھا جس شکل میں وہ آج پایا جاتا ہے۔

حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ اس تھیلے میں پتھر کی جو تختیاں اور کھجور کی چھالیں پڑی ہوئی تھیں وہ میں نے نکالیں اور اس کے ساتھ دوسرا کام یہ کیا کہ جن لوگوں کو قرآن حفظ تھا ان کو بلا کر اور ان سے مل کر لکھے ہوئے اور زبانی یاد کیے ہوئے قرآن کے درمیان مطابقت کرائی۔ ———

ان دونوں چیزوں کی مطابقت سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے اور اس ترتیب کے ساتھ ہے تو اسے ایک مرتب شکل میں جمع کر لیا۔

حضرت زیدؓ نے یہ جو فرمایا کہ سورۂ توبہ کی آخری آیات مجھے صرف حضرت ابو خزیمہؓ انصاری کے پاس ملیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ آیات اس تھیلے ہی میں نہیں تھیں کیونکہ انتظام اس بات کا تھا کہ اس تھیلے میں سے جو کچھ ملے اس کو قرآن کے حافظوں سے ان کے حفظ کردہ حصوں کے ساتھ

مطابقت کرنے کے بعد لکھا جائے ـــــ چنانچہ ان کے قول سے مراد یہ ہے کہ قرآن کے جو حافظ مجھے ملے ان میں سے سورۂ توبہ کی آخری آیات صرف حضرت ابوخزیمہ انصاری کو یاد تھیں۔ میں نے مقابلہ کرنے کے بعد ان کو درج کر لیا۔

۶۵ مصحفِ عثمانی کیسے تیار ہوا

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ حُذَيْفَةَ ابْنَ الْيَمَانِ قَدِمَ عَلٰى عُثْمَانَ وَكَانَ يُغَازِىْ اَهْلَ الشَّامِ فِىْ فَتْحِ اَرْمِيْنِيَّةَ وَاَذْرَبِيْجَانَ مَعَ اَهْلِ الْعِرَاقِ فَاَفْزَعَ حُذَيْفَةَ اخْتِلَافُهُمْ فِى الْقِرَاءَةِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ لِعُثْمَانَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَدْرِكْ هٰذِهِ الْاُمَّةَ قَبْلَ اَنْ يَّخْتَلِفُوْا فِى الْكِتٰبِ اخْتِلَافَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى فَاَرْسَلَ عُثْمَانُ اِلٰى حَفْصَةَ اَنْ اَرْسِلِىْ اِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِى الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا اِلَيْكِ فَاَرْسَلَتْ بِهَا حَفْصَةُ اِلٰى عُثْمَانَ فَاَمَرَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَعَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَسَخُوْهَا فِى الْمَصَاحِفِ وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّيْنَ الثَّلَاثِ اِذَا اخْتَلَفْتُمْ اَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِىْ شَىْءٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ فَاكْتُبُوْهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَاِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوْا حَتّٰى اِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِى الْمَصَاحِفِ رَدَّ عُثْمَانُ الصُّحُفَ اِلٰى حَفْصَةَ وَ

پر ایسی شدید کیفیت طاری نہ ہوتی۔

آدمی کا ایمان اگر مضبوط ہو اور اُس کے دل میں کوئی بُرا وسوسہ گزرے تو وہ کانپ جاتا ہے اور اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن اگر ایک آدمی کچے ایمان کا ہو تو بُرا وسوسہ اس کے دل میں آتا ہے اور وہ اس کے ایمان کو ذرا سا ہلا کے چلا جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے اس سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ وسوسہ پھر آتا ہے اور اس کے ایمان کو کچھ اور ہلا کے چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت میں اس کے پورے ایمان کو متزلزل کر کے رکھ دیتا ہے۔ ــــــ لیکن مضبوط اور استوار ایمان والے شخص کا حال یہ نہیں ہوتا۔ وہ بُرا وسوسہ آنے کے بعد فوراً سنبھل جاتا ہے ــــــ حضرت اُبیؓ بن کعب کا ردِ عمل اسی بات کی شہادت پیش کرتا ہے۔

حضرت اُبیؓ بن کعب کے سنبھلنے پر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سمجھانے کے لیے یہ وضاحت فرمائی کہ آغاز میں جب قرآن مجید نازل ہوا تو وہ صرف اُسی لہجے اور محاورے کے مطابق تھا جو قریش کا تھا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مادری زبان تھی۔ لیکن حضورؐ نے خود اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ اسے دوسرے لہجات کے مطابق بھی پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ درخواست کے الفاظ یہ ہیں کہ ہَوِّنْ عَلٰی اُمَّتِیْ یعنی میری اُمّت کے ساتھ نرمی فرمائی جائے۔ حضورؐ کا احساس یہ تھا کہ آپ کی مادری زبان سارے عرب کی مروجہ زبان نہیں ہے بلکہ مختلف علاقوں اور قبیلوں کے کچھ مقامی لہجے اور تلفظات ہیں۔ لیے اگر ان سب لوگوں پر صرف اہلِ قریش ہی کے لہجات اور تلفظات کے

مطابق قرآن پڑھنے کو لازم کر دیا گیا تو وہ سخت آزمائش میں پڑ جائیں گے۔ اس لیے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی کہ میری اُمت کے ساتھ نرمی فرمائی جائے۔ چنانچہ پہلی درخواست کے جواب میں یہ اجازت دے دی گئی کہ اچھا دو لہجوں میں پڑھ لیا کرو۔

اب اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اپنے بندوں کے ساتھ عجیب ہے کہ پہلی مرتبہ کی درخواست ہی کے جواب میں قرآن مجید سات لہجات کے مطابق پڑھنے کی اجازت نہیں دے دی، حالانکہ ارادہ سات کا تھا، بلکہ دوسری اور تیسری مرتبہ درخواست کرنے کا انتظار کیا۔ اس طرح گویا حضورؐ کی آزمائش بھی مقصود تھی کہ ان کے اندر نبی ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری کا کتنا احساس ہے اور اپنی اُمت کے ساتھ ان کی محبت و شفقت کا کیا عالم ہے۔ اس لیے پہلے ایک ہی لہجہ اُتارا ـــــ لیکن حضورؐ کو اس بات کا احساس تھا کہ اہل عرب کے لہجات میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس لیے اگر قرآن ایک ہی لہجے میں پڑھنے کی اجازت دی گئی تو لوگ سخت مشکل میں پڑ جائیں گے اور ان پر قدرتی ہدایت کی تکمیل نہ ہو سکے گی۔ اس لیے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کی کہ میری اُمت کے ساتھ نرمی فرمائی جائے۔ اس کے جواب میں اجازت دو لہجات کے ساتھ پڑھنے کی دی گئی۔ حضورؐ نے پھر عرض کیا کہ مزید نرمی فرمائی جائے۔ چنانچہ حضورؐ کے دو دفعہ اور درخواست کرنے پر سات لہجات کے مطابق پڑھنے کی اجازت دے دی گئی ـــــ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: "چونکہ تم نے ہم سے تین مرتبہ درخواست کی ہے اور ہم نے اسے قبول کر لیا ہے اس لیے اب تمہیں حق دیا جاتا ہے کہ تین دعائیں ہم

سے مانگ سکتے ہو ــــــ ربِ کریم کی عنایتیں کرنے کے انداز دیکھیے ــــــ اسی چیز کو قرآن مجید میں فرمایا کہ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ "میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے" ــــــ تو یہ رحمت کا انداز ہے کہ چونکہ تم نے تین مرتبہ ہم سے اپنی امت کے حق میں نرمی کرنے کی درخواست کی ہے اور ہمیں تمہاری یہ ادا پسند آئی ہے، اس لیے آپ تمھیں تین دعائیں کرنے کا حق دیا جاتا ہے۔ یہ دعائیں ہم قبول کریں گے۔

اب اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی شانِ رحمت و شفقت بھی اپنی امت کے حق میں دیکھیے کہ دو مرتبہ دعا مانگ کر تیسری مرتبہ کی دعا آخرت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں اور دو مرتبہ کی دعا بھی کسی دنیوی مفاد اور کسی دولت اور اقتدار کے لیے نہیں مانگی بلکہ صرف اس غرض کے لیے مانگی کہ میری امت کے ساتھ درگزر اور چشم پوشی کا معاملہ کیا جائے۔

فرمایا: اِغْفِرْ لِاُمَّتِیْ: میری امت کی مغفرت فرما۔

مغفرت کے اصل معنی ہیں درگزر کرنا، چشم پوشی کرنا۔ مِغْفَرْ اس خود کو کہتے ہیں جو سر کو چھپاتا ہے۔ چنانچہ اِغْفِرْ لِاُمَّتِیْ کا مطلب یہ ہے کہ میری امت کے ساتھ درگزر، نرمی اور چشم پوشی کا معاملہ کیا جائے ــــــ ایک شکل تو یہ ہوتی ہے کہ آپ نے قصور کیا اور جھٹ اسے سزا دے دی گئی۔ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ قصور کرتے ہیں لیکن آپ سے درگزر کیا جاتا ہے اور سنبھلنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ آپ پھر قصور کرتے ہیں لیکن پھر سنبھلنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس طرح بار بار درگزر کا معاملہ کیا جاتا ہے تاکہ آدمی بالآخر سنبھل جائے اور اپنی اصلاح کرلے ــــــ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان وہ قوم ہے جس کے پاس خدا کا آخری کلام قرآن مجید ابھی

نسخہ تیار کرانے کا اہتمام کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کے اس معیاری نسخے کے علاوہ دوسرے صحیفوں کو جلانے کا حکم اس لیے دیا کہ جب لوگ لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئے تو انھوں نے قرآن مجید کو اپنے اپنے قبیلے کی زبان کے مطابق لکھ بھی لیا۔ اگر یہ لکھے ہوئے نسخے بعد میں محفوظ رہتے تو خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختلف علاقوں میں بھیجے ہوئے اس مصحف کے بارے میں کہ جس سے نقل کر کے پھر ساری اُمت میں قرآن پھیلا، مختلف شبہات پیدا ہو جاتے۔ اس لیے جن جن لوگوں نے بھی قرآن مجید کا کوئی حصہ لکھ لیا تھا، یہاں تک کہ اگر کسی کے پاس کوئی ایک آیت بھی لکھی ہوئی تھی وہ اس سے واپس لے لی گئی اور پھر جلا دی گئی۔ اور ایک عام حکم دے دیا گیا کہ قرآن کا یہ نسخہ جو اب باقاعدہ سرکاری اہتمام میں تیار ہوا ہے یہی اب اصل نسخہ ہے جس کو بھی آئندہ قرآن مجید نقل کرنا ہو وہ اسی نسخے سے نقل کرے۔ اس طرح آئندہ کے لیے قرآن مجید کی کتابت اسی مصحف عثمانی پر موقوف کر دی گئی اور باقی تمام صحیفے تلف کر دیے گئے۔

یہ جو فرمایا کہ ہمیں سورۂ احزاب کی ایک آیت صرف حضرت خزیمہؓ انصاری کے پاس ملی تو اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو مصحف لکھا گیا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کاغذ زیادہ مضبوط نہیں تھا، اس لیے عین ممکن ہے کہ وہ آیت کسی کمزور کاغذ پر لکھی گئی ہو اور جب اس سے نقل کرنے کی نوبت آئی تو وہ واضح طور پر پڑھی نہیں جا سکی۔ اس لیے اس کی تحقیق کرنے کی ضرورت پیش آئی ــــــ پھر یہ دیکھیے کہ اگرچہ حضرت زیدؓ بن ثابت کو اچھی طرح

یاد تھا کہ یہ آیت اس جگہ تھی لیکن اس کے باوجود اُنھوں نے کسی ایسے شخص کو تلاش کرنا ضروری سمجھا جس کو یہ آیت یاد ہو تاکہ اس بات کا پورا اطمینان ہو جائے کہ ہاں فی الواقع یہ قرآن کی آیت ہے۔ اس تلاش کے نتیجے میں حضرت خزیمہؓ بن ثابت انصاری کے پاس وہ آیت نکل آئی، تب اُنھوں نے اس کو درج کیا۔

کتابت و حفاظتِ قرآن کے معاملے میں صحابۂ کرامؓ کی احتیاط کا اندازہ کیجیے کہ یہ بات یاد ہونے کے باوجود کہ میں نے یہ آیت اُس وقت مصحف صدیقی میں لکھی تھی، اور یہ بھی کہ میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا ہے لیکن پھر بھی محض اپنے حفظ اور یاد کے اعتماد پر اس کو اس وقت تک لکھا نہیں جب تک کہ ایک آدمی مزید اس بات کی شہادت دینے والا نہ مل گیا کہ ہاں یہ آیت اس جگہ تھی، اور یہ اسی سورت کا حصّہ ہے۔

۲۲۔ سورتوں کی ترتیب خود نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قُلْتُ لِعُثْمَانَ مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى اَنْ عَمَدْتُمْ اِلَى الْاَنْفَالِ وَهِيَ مِنَ الْمَثَانِيْ وَاِلٰى بَرَاءَةَ وَهِيَ مِنَ الْمِئِيْنَ فَقَرَنْتُمْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكْتُبُوْا سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَضَعْتُمُوْهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ عُثْمَانُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يَأْتِيْ عَلَيْهِ الزَّمَانُ وَهُوَ تَنْزِلُ عَلَيْهِ

السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ وَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُولُ ضَعُوا هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ فِي السُّورَةِ الَّتِي يُذْكَرُ فِيهَا كَذَا وَكَذَا وَكَانَتِ الْأَنْفَالُ مِنْ أَوَائِلِ مَا نَزَلَتْ بِالْمَدِينَةِ وَكَانَتْ بَرَاءَةٌ مِنْ آخِرِ الْقُرْآنِ نُزُولًا وَكَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيهَةً بِقِصَّتِهَا فَقُبِضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَنَا أَنَّهَا مِنْهَا فَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ قَرَنْتُ بَيْنَهُمَا وَلَمْ أَكْتُبْ سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ وَوَضَعْتُهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: یہ کیا بات ہے کہ آپ نے سورۂ انفال کو سورۂ توبہ کے ساتھ ملا دیا حالانکہ سورۂ انفال کی آیتیں ۷۵ ہیں اور سورۂ توبہ کی سو سے زیادہ ہیں (اور قرآن مجید کے آغاز میں انھی سورتوں کو رکھا گیا ہے جو سو سے زیادہ آیات پر مشتمل ہیں) اور پھر ان دونوں سورتوں کے درمیان آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی؟ ——— کیا وجہ ہے کہ آپ نے اس سورۂ انفال کو ابتدائی سات بڑی سورتوں کے اندر شامل کر دیا (حالانکہ اس کی آیتیں سو سے کم ہیں)؟ ———
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ یہ تھا کہ لمبی

سورتوں کے نزول کے زمانے میں جب آپؐ پر کچھ آیات نازل ہوتی تھیں تو آپؐ کاتبینِ وحی میں سے کسی کو بلا کر فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورت میں رکھو جس میں فلاں فلاں چیز کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح جب کوئی آیت آپؐ پر نازل ہوتی تو آپؐ فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو جس میں فلاں فلاں چیز کا ذکر آیا ہے ــــــ اب سورۂ انفال اُن سورتوں میں سے ہے جو مدینہ طیبہ کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئیں اور سورۂ براءۃ (توبہ) آخری زمانے کی سورتوں میں سے ہے اور ان دونوں سورتوں کا مضمون اگرچہ ایک دوسرے سے مشابہت رکھتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہم سے اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ سورۂ انفال سورۂ توبہ کا ایک حصّہ ہے۔ اس سبب میں نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ الگ رکھتے ہوئے انھیں ساتھ ساتھ بھی رکھا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی، اور اس کو سات بڑی سورتوں کے اندر شامل کر دیا۔

(احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد)

حضورؐ کا یہ ارشاد کہ 'اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو جس میں فلاں چیز کا ذکر آیا ہے' اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ سورتوں کے نام کیسے رکھے گئے ــــــ سورتوں کے ناموں کا تعین اس بات سے نہیں کیا گیا کہ اس میں فلاں فلاں موضوعات زیرِ بحث آئے ہیں (کیونکہ موضوعات و مضامین کے تنوع کی وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا) بلکہ مختلف سورتوں

احادیث آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجازت کس طرح ختم ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سالہاسال کی تبلیغ و اشاعتِ دین کے نتیجے میں جب اسلامی حکومت کی بنیاد پڑی تو اس کے اوّلین فرائض میں سے ایک فریضہ لوگوں کو تعلیم یافتہ بنانا تھا کیونکہ مسلمان اور جہالت دو چیزوں کا یکجا تصور نہیں ہو سکتا۔ اسلامی حکومت نے ابتدائی دور میں تو لوگوں کو دین زیادہ تر زبانی تلقین کے ذریعے سے سکھایا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس امر کی مسلسل کوشش کی گئی کہ پوری قوم تعلیم یافتہ ہو جائے۔ چنانچہ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں تعلیم کا اتنے بڑے پیمانے پر کام کیا گیا کہ ایک اندازے کے مطابق اس وقت سو فی صدی خواندگی پیدا ہو چکی تھی۔ اور یہ سب اہتمام صرف اس لیے کیا گیا کہ لوگ قرآن پڑھنے کے قابل ہو جائیں۔

یعنی مسلمان کی نگاہ میں خواندگی کی اوّلین اہمیت یہ نہیں ہے کہ وہ دنیا کے معاملات کی نوشت و خواند کرنے کے قابل ہو جائے، یہ تو محض ایک ضمنی فائدہ ہے اصل فائدہ یہ کہ آدمی قرآن پڑھنے کے قابل ہو سکے۔ جب تک وہ قرآن پڑھنے کے قابل نہیں ہو گا اور براہِ راست یہ نہیں جان سکے گا کہ اس کے خدا نے اس پر کیا ذمہ داریاں عائد کی ہیں، وہ کس امتحان میں ڈالا گیا ہے اور اس امتحان میں اس کی کامیابی کی کیا صورت ہے اور ناکامی کے اسباب کیا ہیں، اُس وقت تک وہ ایک مسلمان کی سی زندگی بسر کرنے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے تعلیم اسلامی معاشرے میں ایک بنیادی اہمیت رکھتی ہے اور اسلامی خلافت نے اس کام کو اپنے اوّلین بنیادی فریضے کی حیثیت ہی سے انجام دیا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور ہی میں یہ کام

درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی نہیں لکھی گئی، اس کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ وضاحت فرمائی کہ مضمون کی مشابہت کی بناء پر ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تو رکھا گیا لیکن ان کو ایک ہی سورت نہیں بنایا گیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ دونوں ایک ہی سورت ہیں۔ پھر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے صحیفوں میں سورۂ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی نہیں ملی اس لیے مُصحف عثمانی میں بھی یہ نہیں لکھی گئی ——— اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ نے قرآن مجید جمع کرنے میں کس قدر احتیاط سے کام لیا اور اس نازک فریضے سے کس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوئے۔